نگہت سیما

زمین کے آنسو

"میں نے اسے روتے ہوئے دیکھا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے، گھٹنوں کو چھوتے ہوئے... اور اس کی اوڑھنی اس کے دائیں کندھے پر جھول رہی تھی، جس کا ایک سرا اس کے دائیں پاؤں کو چھو رہا تھا اور اس کی بے انتہا خوب صورت آنکھوں سے آنسو اتنی آہستگی سے بہہ رہے تھے جیسے کوئی سبک خرام ندی دھیمے دھیمے ایک تواتر سے بہے۔ اس کے رخساروں پر کنپٹی کے پاس ناک کے قریب ادھر ادھر آنسوؤں کے نشان تھے جیسے وہ ابھی روتے روتے چپ ہوئی ہو اور آنسوؤں کے نشان اس کے رخساروں پر رہ گئے ہوں۔ یوں جیسے کوئی ننھا بچہ اپنی میلی مٹھیوں سے اپنے آنسو پونچھے اور آنکھوں سے بہہ کر آنے والے سرمے یا کاجل کی وجہ سے رخساروں پر ملگجے سے نشان رہ جائیں...

نہ جانے وہ کب روتے روتے چپ ہوئی تھی اور جانے کب اس نے پھر رونا شروع کیا تھا... آنسو تواتر سے اس کے میلے ملگجے رخساروں پر بہہ رہے تھے لیکن میرا دھیان اس کے آنسوؤں کی طرف نہیں تھا۔ میں تو صرف اس کی آنکھیں دیکھ رہا تھا۔ اتنی حسین... اتنی نشیلی آنکھیں... شاید ساری دنیا کی عورتوں کی آنکھوں سے زیادہ حسین اور پتا نہیں کیوں میرے کانوں میں قاآنی کا قصیدہ گونج رہا تھا۔ قاآنی کا یہ قصیدہ مجھے ہمیشہ سے ہی پسند تھا۔ حالانکہ اس قصیدے کا اس کے آنسوؤں سے تو کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ تو کسی خوب صورت منظر کا بیان تھا لیکن شاید کوئی تعلق تھا...

بنفشہ رستہ از زمین زطرف جویبارہا
وبا گستہ حور عین زلف خویش تازہا

(ندی کے کناروں پر بنفشہ اگا ہوا ہے یا خوب صورت آنکھوں والی حور نے اپنی زلفیں بکھیر دی ہیں)

"حور عین!"

میرے لبوں سے سرگوشی کی طرح نکلا۔

حور عین... خوب صورت آنکھوں والی حور۔

ہاں شاید میں یہی یاد کر رہا تھا۔ یہی تعلق تھا اس قصیدے کا اس سے۔

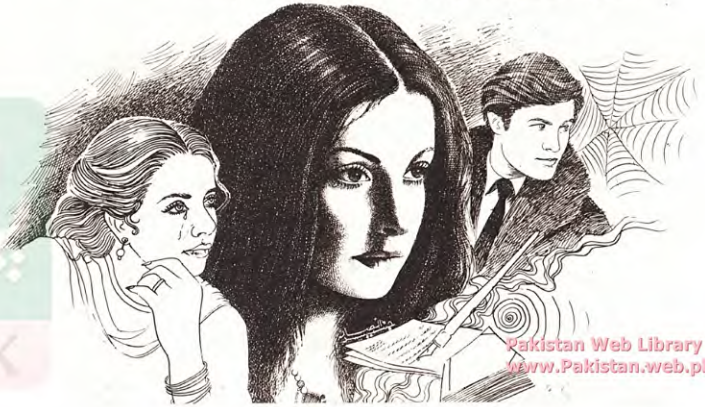

مہکل ناولز

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

میں بے ساختہ ایک قدم اس کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے چونک کر ایک ناراض نظر مجھ پر ڈالی تھی۔ شاید اس کے انہماک میں فرق پڑا تھا' پھر وہ یوں ہی ناراضی سے مجھے دیکھتے ہوئے چلی گئی۔ اس کی اوڑھنی اس کے پاؤں میں الجھ رہی تھی۔

"حورعین!"

میں اس کے پیچھے لپکا اور پھر میری آنکھ کھل گئی...!"

ہمدان مصطفیٰ نے قہقہہ لگایا۔

جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے ایک فلک شاہ نے ایک لاپروا نظر اس پر ڈالی اور اسی بے نیازی سے حاضرین مجلس کی طرف توجہ دیے بغیر دوبارہ بولا۔

"ہاں... لیکن اس سے پہلے اس نے مڑ کر مجھے دیکھا اور کہا تھا...

"میں... حورعین نہیں زمین ہوں۔ زمین' دھرتی۔ زمین..."

عاشی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی بے ساختہ ہنسی کو روکا۔

زمین... یعنی آسمان کی اپوزٹ (متضاد) مگر زمین تو اتنی خوب صورت نہیں ہوتی موٹی آپا! اور وہ بھلا کوئی انسان ہوتی ہے کہ روئے اور پھر یہ زمین... یہ ہماری زمین... کتنی گندی ہے' کوڑے کرکٹ کے ڈھیر' کچرا' الابلا سب کچھ تو لوگ اس پر پھینکتے ہیں۔"

اس نے منیبہ شاہ کے کانوں میں سرگوشی کی اور اسی طرح اتنی ہی مدھم آواز میں رابیل نے اریب فاطمہ کے کان میں کہا۔

"یہ اس کا پرانا طریقہ ہے۔ یوں ہی سسپنس کری ایٹ کرکے سب کو اپنی طرف متوجہ کرنا۔"

"مگر کیا اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسے کسی ڈرامے کی ضرورت ہے۔ وہ تو خود ہی سب کی توجہ کھینچ لیتا ہے۔" اریب فاطمہ نے چوری چوری دیکھا۔ اپنے رف حلیے میں بھی وہ سب سے منفرد اور شان دار لگ رہا تھا۔

"کیا یہ کسی نئی کہانی کا پلاٹ ہے؟" عمر احسان نے اس کی طرف مٹھی بھر چلغوزے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"نئی کہانی..." اس کی آنکھیں یکایک چمک اٹھیں۔

"اس کی آنکھیں کتنی لو دیتی ہیں۔" اریب فاطمہ نے پھر چپکے چپکے اسے دیکھا۔

"ہاں! نئی کہانی کا پلاٹ تو نہیں' آغاز ضرور ہو سکتا ہے۔" اس کے اندر جیسے لفظ بننے اور بگڑنے لگے۔

"حورعین کے آنسو... نہیں' زمین کے آنسو..." عنوان خود بخود ہی تشکیل ہو گیا تھا۔

"تھینکس عمر!" اس نے مٹھی میں دبے چلغوزے منہ میں ڈالے۔

"اور یہ عمر..." رابیل نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"اسے پتا نہیں کیا شوق ہے' اس ایک فلک شاہ کی خدمتیں کرنے کا اور یہ جو اتنی دیر سے چلغوزے چھیل چھیل کر مٹھی میں رکھ رہا تھا۔ یہ اس ڈرائے باڈی ایک شاہ کے لیے تھے۔ حالانکہ اس گھونچو کو پتا بھی ہے کہ مجھے یعنی اس کی پیاری آپی رابیل احسان کو چلغوزے چھیلنے سے کتنی کوفت ہوتی ہے۔ جبکہ چلغوزے مجھے بہت پسند ہیں۔"

اس نے آدھی بات سوچی تھی اور آدھی منیبہ شاہ کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے اس کے کان میں انڈیلی تھی اور پھر پتا نہیں اس کی سماعتیں ہی اتنی تیز تھیں یا پھر وہ کوئی جادوگر تھا۔ دلوں کا بھید جانے والا کہ اس نے باقی بچے ہوئے چلغوزے جھک کر رابیل کا ہاتھ پکڑ کر اس کی مٹھی میں منتقل کر دیے۔

"یہ لیجیے رابیل جی! اتنی محنت سے چھیلے گئے ان چلغوزوں پر آپ کا بھی تو حق بنتا ہے کچھ۔ آخر آپ کے پیارے بھائی نے چھیلے ہیں۔"

اور رابیل کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"میں خیرات نہیں لیتی۔"

اس نے ایک کا ہاتھ جھٹک کر چلغوزے کارپٹ پر

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

پھینکے اور کھڑے ہوتے ہوئے ایک حقارت بھری نظر ایک فلک شاہ پر ڈالی پھر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ایک نے نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے اچکائے تو عمر نے خجالت سے ایک شاہ کو دیکھا۔

"یہ رابی آپی بھی یوں ہی کبھی کبھی بلاوجہ..."

باقی کا جملہ وہ منہ ہی منہ میں بدبدا کر چپ ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ بات تو سب ہی جانتے تھے کہ رابیل احسان کبھی کبھی نہیں بلکہ ہمیشہ ہی ایک فلک شاہ کو دیکھ کر ایسا ہی کوئی نہ کوئی ردعمل ظاہر کرتی ہے۔ پتا نہیں اسے ایک کی کس بات سے چڑ تھی۔ اس کی شان دار شخصیت سے۔ اس کی بے نیازی سے۔ اس کی ذہانت اور شہرت سے' یا پھر اس کا عمارہ پھپھو کا بیٹا ہونا۔ عمارہ پھپھو جن سے بیگم احسان کی کبھی نہیں بنی تھی اور شاید وہی نفرت جو انہیں عمارہ پھپھو سے تھی' انہوں نے اپنی لاڈلی بیٹی میں بھی منتقل کر دی تھی۔

"پتا نہیں چچی جان کو عمارہ پھپھو سے اتنی چڑ کیوں تھی کہ انہوں نے ہمیشہ ہی ان کا ذکر بڑی نفرت اور حقارت سے کیا تھا۔"

منیبہ شاہ نے ایک نظر ایک فلک شاہ کو دیکھتے ہوئے سوچا' جو عاشی کو کارپٹ پر گرے چلغوزے چن چن کر دے رہا تھا اور وہ منہ میں ڈالتی جا رہی تھی۔ ایک ہمدان مصطفیٰ سے پوچھنے لگا۔

"تو پھر آج رات پروفیسر صاحب کے ہاں چل رہے ہو؟"

"آج رات؟" ہمدان مصطفیٰ نے لحہ بھر سوچا اور پھر پوچھا۔ "تو کیا آج رات تم یہاں "الریان" میں رکو گے؟"

"ہاں اگر تمہارا رات کا پروگرام ہو' جانے کا تو رک جاتا ہوں' ورنہ چلوں گا۔"

وہ ہمدان مصطفیٰ سے ہمکلام تھا' جبکہ اریب فاطمہ نے کئی بار نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"شاید آج رات میں نہ جا سکوں گا' بلکہ یقیناً" نہیں۔"

ہمدان مصطفیٰ کو اچانک یاد آیا کہ آج رات تو رابیل احسان کی سالگرہ کی خوشی میں سب نے باہر ڈنر کرنا تھا اور یہ "الریان" کی پرانی روایت تھی کہ سب کے یوم پیدائش پر بابا جان کی طرف سے ایک زبردست سا ڈنر ہوتا تھا لیکن کچھ عرصہ سے اس روایت میں اتنی تبدیلی آئی تھی کہ اب یہ کھانا باہر کھایا جاتا تھا۔

"تم بھی چلو نا ایک!" منیبہ شاہ کو اخلاق نبھانے آتے تھے۔

"میں؟" وہ مسکرایا اور مڑ کر منیبہ شاہ کی طرف جتاتی نظروں سے دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو' کیا تم رابیل احسان کو نہیں جانتیں اور منیبہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر یک دم بولی۔

"یہ ڈنر تو بابا جان کی طرف سے ہے اور "الریان" میں جب بھی کسی کا برتھ ڈے ہو تو بابا جان ہی ڈنر دیتے ہیں۔"

اسے "الریان" میں آتے دن ہی کتنے ہوئے تھے سو منیبہ نے اسے بتانا ضروری سمجھا۔ وہ یہاں کی بہت سی باتوں سے لاعلم تھا اور عموماً" منیبہ ہی اسے اطلاعات فراہم کیا کرتی تھی۔

"اوہ ہاں! بابا جان کی طبیعت اب کیسی ہے؟" اسے یاد آیا کہ پچھلی بار جب وہ آیا تھا تو بابا جان کی طبیعت خراب تھی۔

"اب تو ٹھیک ہیں۔" جواب عمر نے دیا۔ "پاپا کے ساتھ کسی کے ہاں تعزیت کے لیے گئے ہیں۔"

"اوکے... تو پھر میں چلتا ہوں۔"

وہ اس گھر میں صرف انہی کی خاطر تو آتا تھا۔ صرف ان سے ملنے۔ انہیں دیکھنے کہ یہ اس کی ماں کی خواہش تھی۔ وہ جب بھی لاہور آتا' ماں اپنی آنکھیں جیسے اس کے ہمراہ کر دیتی تھیں اور وہ ان کی آنکھوں سے بابا جان کو دیکھتا تھا اور جب واپس بہاول پور جاتا تو ان کی نظریں بار بار اس کے چہرے کا طواف کرتی تھیں۔ شاید انہیں تسلی ہوتی تھی کہ انہوں نے نہیں تو ان کے بیٹے نے تو انہیں دیکھا ہے۔

پہلی بار وہ ہمدان مصطفیٰ کے ساتھ آیا تھا۔ اس گھر

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

میں ہمدان مصطفیٰ ہی وہ واحد شخص تھا جو کبھی کبھار بہاول پور ان سے ملنے آتا تھا اور پچیس سال کی عمر تک اس نے سوائے ہمدان مصطفیٰ کے اپنے کسی ننھیالی رشتہ دار کو نہیں دیکھا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ "الریان" میں رہنے والے سب افراد کی رائے اس کے متعلق مختلف ہے۔ کچھ اسے پسند کرتے ہیں اور کچھ ناپسند، لیکن اپنی ناپسندیدگی کا اظہار رابیل احسان کے سوا کسی نے نہیں کیا تھا اسے رابیل احسان کی اس واضح ناپسندیدگی کی وجہ کبھی سمجھ میں نہیں آئی تھی اور اس نے جاننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ اس کے پاس کرنے کو اور بہت کام تھے۔

"پھر کب آؤ گے؟" ہمدان مصطفیٰ ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

"پتا نہیں، کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اگر وقت ملا تو جانے سے پہلے بابا جان سے ملنے آؤں گا۔"

"ایک بھائی! آپ کتنے دن یہاں ٹھہریں گے؟" عمر احسان اسے بہت پسند کرتا تھا۔

"شاید تین، چار روز۔"

"تو پھر آپ ادھر ہی کیوں نہیں رہ جاتے۔"

"نہیں یار۔۔۔!" ایک نے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔ "مجھے کچھ کام ہیں۔"

"تو کیا میں آپ سے ملنے آسکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں یار!"

"آپ وہیں ٹھہریں گے نا کرنل شیر دل کے گھر؟" ایک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ آپ کے بھی تو نانا ابا کا گھر ہے نا پھر آپ کو ادھر رہنا اچھا کیوں نہیں لگتا؟" عاشی معصومیت سے سر اٹھائے پوچھ رہی تھی۔

"جہاں آپ جیسی پیاری سی گڑیا رہتی ہو، وہاں رہنا بھلا ہمیں اچھا کیوں نہیں لگے گا۔" ایک نے جھک کر اس کے رخساروں کو دو انگلیوں سے چھوا۔

"میں پیاری ہوں؟" اس کی نیلی آنکھیں جگمگانے لگیں۔

"بالکل۔۔۔" ایک نے تائید کی۔

"لیکن زویا ماما تو کہتی ہیں کہ میں بدصورت بلا ہوں۔" اس کی نیلی جھیلیں یک دم پانیوں سے بھر گئیں۔

"جھوٹ بولتی ہیں آپ کی زویا ماما۔"

ایک نے یک دم گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔

"ارے آپ تو "الریان" کی ساری لڑکیوں سے زیادہ حسین ہو بے بی!"

"سچ۔۔۔؟"

اس نے تائیدی نظروں سے پہلے ایک اور پھر سب کی طرف دیکھا۔ سب نے ہی سر ہلایا تھا۔ بھیگی آنکھیں پھر جھلملانے لگی تھیں۔ جیسے نیلے پانیوں میں کسی نے دیے جلا دیے ہوں۔

"ویسے مجھے خود بھی پتا تھا کہ میں "الریان" کی ساری لڑکیوں سے زیادہ خوب صورت ہوں۔"

نو سالہ عاشی نے اتراتے ہوئے کہا تو ایک اور ہمدان بے ساختہ ہنس دیے اور اریب فاطمہ مبہوت سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے اس طرح کھل کر ہنستے ہوئے ایک کو پہلی بار دیکھا تھا۔ ایسی بے ساختہ ہنسی اس کے چہرے پر کتنی جچتی تھی۔

مگر "الریان" میں قیام کے ان چھ مہینوں میں صرف چار بار ہی تو اس نے اسے دیکھا تھا۔ ہاں ایک مبہم سی مسکراہٹ ضرور اس کے لبوں پر آجاتی تھی اور وہ ہر بار اس مسکراہٹ کے معنی ہی تلاش کرتی رہ جاتی تھی۔

ایک کھڑا ہو گیا۔

"ویسے ایک بھائی سے پہلے تمہیں یہ بات کس نے بتائی تھی عاشی!" عمر نے سرگوشی کی۔

"نانا ابو نے۔" وہ اترائی۔ "اور نانا ابو کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن رابی آپی کے سامنے یہ بات کبھی نہ کہنا، کیونکہ وہ خود کو "الریان" کی ساری لڑکیوں سے زیادہ حسین سمجھتی ہیں۔" عمر کی آنکھوں میں شرارت

تھی۔

ایک لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ لیے مڑا تو اس کی نظریں اریب فاطمہ کی نظروں سے ٹکرائیں۔ اریب نے گھبرا کر نگاہیں جھکا لیں۔ ایک بے دھیانی میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے رخساروں پر سرخی بکھر گئی اور پیشانی پر پسینے کے چند ننھے ننھے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔ وہ نگاہیں جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی اور اس کی بے حد لانبی پلکیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں۔

ایک کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس نے اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں۔ لاؤنج سے باہر نکلتے ہوئے اس نے سوچا۔

"یہ لڑکی "الریان" کی ان ساری لڑکیوں کے درمیان یوں لگتی ہے، جیسے جنگل میں بھٹکی ہوئی کوئی سہمی سہمی سی ہرنی ہو۔ اس کی غزال آنکھوں میں ایسا ہی سہم ہے۔۔۔ غزال۔" اس نے زیر لب کہا۔

"نہیں حورعین۔۔۔ نہیں، اس کی آنکھیں تو بالکل۔۔۔" اس نے ہولے سے سر جھٹکا اور الریان سے باہر نکل گیا۔

"تم میں سے کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ اسے روک لیتے۔ وہ کوئی غیر تو نہیں، ہماری پھپھو کا بیٹا ہے، بابا جان کا نواسا ہے اور یہ ڈنر بابا جان کی طرف سے ہے۔"

اس کے لاؤنج سے نکلتے ہی سب کچھ نہ کچھ بولنے لگے تھے اور اس کے پیچھے جاتا ہمدان دروازے میں ہی رک گیا تھا۔

منیبہ کی آواز پر سب ہی خاموش ہو گئے تھے۔ وہ لاء کر رہی تھی اور اسے ناانصافی کے خلاف اور حقوق کی حمایت میں بولنے کا بے حد شوق تھا۔

"سوائے ہومی کے کسی نے اسے ڈنر کے متعلق بتایا تک نہیں۔"

اس کے لہجے سے تاسف جھلکنے لگا تھا۔ اسکول سے لے کر اب تک مختلف مقابلوں میں تقریریں اور مباحثے کر کر کے اسے الفاظ کے اتار چڑھاؤ اور لہجے پر دسترس حاصل تھا۔

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اُگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- =/250 روپے

3 بوتلوں کے لئے ---------- =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

"تمہارا کیا خیال ہے ہمارے کہنے سے وہ رک جاتا؟"

یہ حفصہ مصطفیٰ تھی' جو ہر طرف سے بے نیاز ڈرائی فروٹ کی ٹرے گود میں رکھے بہت انہماک سے کاجو کھا رہی تھی۔

"گڑیا جی! آپ کیوں اپنے کام میں خلل پیدا کر رہی ہیں۔ اپنا کام جاری رکھیں۔" زبیر بھی پہلی بار بولا تھا۔

"ویسے جس رفتار سے آپ ڈرائی فروٹ کھا رہی ہیں' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنے والے دنوں میں بجلی' پانی اور کئی دوسری چیزوں کی طرح ڈرائی فروٹ بھی ناپید ہو جائے گا۔"

"ناپید ہو جائے گا نہیں بلکہ ناپید ہو چکا ہے غریبوں کے لیے۔" عادل عثمان نے عمر احسان کے کان میں سرگوشی کی تھی' جسے کسی نے نہیں سنا۔ حفصہ نے مٹھی بھر کاجو اٹھا کر ٹرے زبیر احسان کی طرف بڑھائی۔

"لو' تم بھی کھاؤ' دور بیٹھے کیوں کڑھ رہے ہو؟"

"میں کچھ کہہ رہی ہوں؟" منیبہ کو غصہ آ رہا تھا۔ کسی نے بھی اس کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔

"کیا ایبک فلک شاہ کو "الریان" کی تقریبات میں شامل ہونے کا حق نہیں ہے؟"

"مگر یہ تقریب "الریان" میں تو نہیں ہو رہی۔" حفصہ منمنائی۔

"مگر یہ تقریب "الریان" کی ہی ہے۔ "الریان" کی شہزادی رابیل احسان کی برتھ ڈے ہے آج۔"

منیبہ کو ایبک کے جانے کے بعد احساس ہوا تھا کہ انہوں نے بڑی بدتہذیبی کی' جبکہ تہذیب تو "الریان" کا ورثہ تھی۔ اکثر ایبک کے جانے کے بعد ہی کسی نہ کسی کو احساس ہوتا تھا کہ ایبک کے ساتھ "الریان" میں ناانصافی ہو جاتی ہے۔

"یہ ہمدان مصطفیٰ اس کا یار غار اور یہ عمر احسان اس کا فین۔ بقول اس کے چاند کا چکور۔" منیبہ کا موڈ تقریر کا بین چکا تھا اور وہ صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

"یہ سراسر ناانصافی ہے کہ یہاں "الریان" میں ہم سب جو بابا جان کے پوتے' پوتیاں ہیں' آج رات ڈنر اڑائیں... جہاں سیکڑوں قسم کی ڈشز ہوں اور ان کا اکلوتا نواسا کرنل شیر دل کی انیکسی میں بازار سے لائے نان چھولے کھا رہا ہو۔"

"بابا جان کا یہ اکلوتا نواسا ہم جیسے ہزاروں کو اس سے شان دار ڈنر کھلا سکتا ہے منیبہ بی بی!"

عمر احسان کو اس کی بات بالکل پسند نہیں آئی تھی کہ اس کی پسندیدہ ہستی کے متعلق کسی کو خصوصاً" اریب فاطمہ کو یہ گمان گزرے کہ وہ کوئی غریب شخص ہے۔ سوائے اریب فاطمہ کے سب ہی جانتے تھے کہ ایبک فلک شاہ کوئی گیا گزرا بندہ نہیں ہے۔

"بہرحال یہ ناانصافی ہے۔"

منیبہ نے دائیں ہاتھ کا مکا بنا کر صوفے کی پشت پر احتیاط سے مارا اور دروازے کے پاس کھڑے ہمدان مصطفیٰ کو یاد آیا کہ وہ تو ایبک کو گیٹ تک خدا حافظ کہنے جا رہا تھا۔ وہ تیزی سے مڑا اور اندر آتی مرینہ عثمان سے زور سے ٹکرایا۔ مرینہ نے بمشکل ناک سے پھسلتی عینک کو سنبھالتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ ہمدان مصطفیٰ کو کیا ہو گیا ہے؟"

اس نے اونچی آواز میں سوچا اور اپنی ناک سہلاتے ہوئے باری باری سب کی طرف دیکھا لیکن شاید کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ہمدان مصطفیٰ اچانک باہر کی طرف کیوں بھاگا ہے۔ سب ہی اندازے لگا رہے تھے اور گیٹ سے باہر کھڑا ہمدان دور' دور تک سنسان سڑک کو مایوسی سے دیکھ رہا تھا' پھر تاسف سے سر ہلاتے ہوئے وہ واپس اندر کی طرف مڑا۔

اکثر ہی ایسا ہوتا تھا کہ کوئی نہ کوئی اسے باتوں میں الجھا لیتا تھا اور وہ جو ایبک فلک شاہ کو خاص مہمانوں کی سی اہمیت دیتے ہوئے گیٹ تک چھوڑنے کی چاہ ہوتی تھی' وہ یوں ہی رہ جاتی تھی۔

وہ سر جھکائے واپس لاؤنج میں آیا تو مرینہ ابھی تک کھڑی اپنی ناک سہلا رہی تھی۔ حفصہ' منیبہ کے کان میں گھسی کچھ کہہ رہی تھی اور عمر احسان اب چلغوزے چھیل چھیل کر عائشی کو دے رہا تھا۔ اسے

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

بچپن سے ہی سب کی خدمتیں کرنے کا شوق تھا۔ پتا نہیں یہ کس پر پڑا ہے۔ ہمدان نے سوچا اور تھکا تھکا سا صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کیا ایبک شاہ تمہاری کوئی قیمتی چیز لے کر بھاگ گیا تھا۔" زبیر احسان نے آج تک بھی ڈھنگ کی بات نہیں کی تھی۔

"بکو مت۔" پتا نہیں کیوں ہمدان کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ شاید اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے ایبک کو نہ روک کر اچھا نہیں کیا اور یہ منیبہ صحیح ہی تو کہتی ہے کہ مجھے اسے ڈنر تک رکنے کے لیے اصرار کرنا چاہیے تھا۔

"کیا ایبک گیا تھا؟" مرینہ کی آواز خاصی اونچی تھی۔

"اور تم لوگوں نے مجھے بتایا تک نہیں اور تم حفصہ! تمہیں تو پتا تھا نا کہ میں پچھلے تین ماہ سے کتنی شدت سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔" وہ حفصہ کے پاس ہی دھپ کر کے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"میں آیا تو تھا تمہارے خواب میں تمہیں بتانے' لیکن تم..." زبیر نے احسان جتایا۔

"تم سارے اچھے کام خواب میں ہی کرتے ہو' کبھی جیتے جاگتے بھی کر لیا کرو۔" عمر نے چڑایا۔

"مجھے کتنا ضروری کام تھا ایبک سے۔" مرینہ کا دکھ کم نہیں ہو رہا تھا۔

"مثلاً" کیا کام؟" زبیر نے بھنویں اچکائیں۔

"وہ میری فرینڈز نے ملنا تھا اس سے اور میں..."

"ہیں کیا کے۔ ای میں لڑکوں کا کال پڑ گیا ہے؟" زبیر اچھلا۔

"بکو مت... ایک سے ایک لڑکا ہے وہاں' لیکن جب میں نے ایبک کا بتایا کہ وہ میرا کزن ہے تو ہائے...! تمہیں کیا پتا وہ سب میرے پیچھے ہی پڑ گئیں کہ ہمیں ایبک سے ملواؤ اور وہ میرب تو ہر روز دعا مانگتی ہے کہ اللہ کرے ایبک جلد آئے اور وہ اس سے آٹو گراف لے سکے۔" مرینہ کو بہت تیز تیز بولنے کی عادت تھی۔

"پتا نہیں' یہ ایبک فلک شاہ کیا ہے جو عمر احسان اس کی تعریفیں کرتا تھکتا نہیں... ہمدان اس کے لاہور آنے کا سن کر بے چین ہو کر اس سے ملنے بھاگتا ہے اور اب مرینہ اور اس کی فرینڈز..." اریب فاطمہ نے سوچا۔

اسے یہاں "الریان" میں آئے صرف چھ ماہ ہوئے تھے اور ان چھ ماہ میں اسے صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا تھا کہ ایبک عمارہ پھپھو کا بیٹا ہے جو بہاول پور میں رہتی ہیں۔ برسوں پہلے بابا جان کسی بات پر فلک شاہ سے ناراض ہو گئے تھے اور فلک شاہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ اور ان کی بیوی کبھی "الریان" میں نہیں آئیں گے اور یوں عمارہ پھپھو پھر کبھی "الریان" نہیں آئی تھیں اور اب اتنے برسوں بعد کوئی سال بھر پہلے ہمدان مصطفیٰ' ایبک کو اپنے ساتھ الریان لایا تھا۔

اپنی ذاتی حیثیت میں وہ کیا تھا۔ کوئی شاعر' صحافی' ادیب' وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ ٹی وی نہیں دیکھتی تھی' کیونکہ اباجی ٹی وی کے خلاف تھے۔ اخبار وغیرہ پڑھنے سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی اور یہاں "الریان" میں آ کر بھی اس نے ٹی وی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ یہاں سب کی محفل ٹی وی لاؤنج میں ہی لگتی تھی یا پھر لونگ روم میں... اس وقت بھی وہ سب ٹی وی لاؤنج میں تھے۔ اگرچہ ٹی وی آن نہیں تھا۔ عموماً" جب سب ٹی وی دیکھ رہے ہوتے تو وہ اٹھ جاتی تھی۔

"اگر فلک مراد شاہ نے کوئی قسم کھائی تھی تو کیا اس کا کفارہ نہیں ہو سکتا تھا۔" اس نے سر جھٹک کر سب کی طرف دیکھا تو عمر بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہمدان! کیا ایسا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا کہ ایبک سلطان اپنا نام بدل کر کچھ اور رکھ لے؟"

"مگر کیوں؟"

ہمدان مصطفیٰ ابھی تک اس تاسف میں بیٹھا تھا کہ وہ آج بھی ایبک کو خاص مہمانوں والا پروٹوکول نہیں دے سکا۔

"بس میرا جی چاہتا ہے کہ ایبک نام صرف ایک ہی ہستی کا ہو... اور وہ صرف ایبک فلک شاہ ہو۔"

"عمر! تم کب بڑے ہو گے آخر۔" حفصہ نے

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

تاسف سے اسے دیکھا۔

عمر احسان اگر بڑا ہو بھی جاتا تب بھی ایک شاہ کے ساتھ اس کی عقیدت کم نہیں ہونا تھی اور یہ بات حفصہ خود بھی اچھی طرح جانتی تھی۔ کچھ اتنا ہی دیوانہ تھا وہ ایک کا۔

"اوئے! تم لوگوں نے چائے پی لی؟"

تاسف سے سر ہلاتے ہلاتے اچانک ہی مرینہ کو خیال آیا تھا۔ وہ چائے کی بے حد رسیا تھی اور بقول منیبہ کے اس کے جسم میں خون کی جگہ چائے ہی دوڑ رہی تھی۔

"چائے... اوہ... ہاں چائے۔" منیبہ شاہ صوفے کے پیچھے سے ہٹ کر صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

کس قدر احمق ہو تم سب۔ یعنی ایک پورے چالیس منٹ یہاں کھڑا رہا اور تم میں سے کسی نے اسے چائے کے لیے بھی نہیں پوچھا۔ حد ہو گئی بداخلاقی کی۔"

"یہ فریضہ تم بھی تو انجام دے سکتی تھیں۔"

حفصہ جانتی تھی کہ منیبہ صرف اسے ہی سنا رہی ہے، کیونکہ الریان میں اگر کسی کو کچن سے دلچسپی تھی تو وہ صرف حفصہ ہی تھی۔

"میں... دراصل میں تو اتنی محو ہو گئی تھی اس کی اسٹوری میں کہ مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا۔" منیبہ نے سر کھجایا۔

"اسٹوری... کیا ایک نے کوئی اسٹوری سنائی تھی؟" مرینہ نے بے حد اشتیاق سے باری باری سب کو دیکھا اور ناک سے پھسلتی عینک کو سنبھالا۔

"فار گاڈ سیک... اب تم اسٹوری سنانے نہ بیٹھ جانا۔" زبیر نے ہاتھ جوڑے۔ "پانچ بج رہے ہیں حفصہ رانی! تم چائے پلواؤ اور پھر سب تیاری شروع کرو۔"

"کیسی تیاری؟" مرینہ پھر چونکی۔

"تمہیں تو اس میڈیکل کی تعلیم نے بالکل ہی بونگا کر دیا ہے رینا! آج رابی کا برتھ ڈے ہے۔" پتا نہیں کیوں حفصہ نے چڑ کر کہا تھا۔

"لیکن ہمیں تو آٹھ بجے جانا ہے نا۔ پاپا جان نے کہا تھا آٹھ بجے سے ایک منٹ لیٹ نہ ہوں۔"

"تو چائے پیتے پیتے چھ بج جائیں گے اور تم لوگ چھ بجے سے تیاری شروع کرو گی، تب کہیں آٹھ بجے تک تیار ہونے کا چانس ہے۔" زبیر نے ٹرے میں پڑا آخری کا جو منہ میں ڈالا۔

"اب اتنی بھی غلط بیانی نہ کرو۔" حفصہ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"چلو یار! اب چائے تو پلواؤ۔" مرینہ نے آہستگی سے سر دبایا۔

"پڑھ پڑھ کے عینک تو لگ چکی ہے، اب یہ سر کا درد بھی پال لیا ہے تم نے۔ آخر کیا ضرورت تھی میڈیکل میں جانے کی۔"

"ہاں ضرورت تو نہیں تھی بس..." مرینہ نے کسی قدر حیرت سے حفصہ کو دیکھا۔

"کسی دور میں تمہیں بھی جنون تھا ڈاکٹر بننے کا۔ یہ الگ بات کہ تم انٹری ٹیسٹ کلیئر نہ کر سکیں۔"

حفصہ نظریں چرا کر باہر نکل گئی۔ یہ دکھ ہمیشہ کے لیے اس کے دل میں ثبت ہو گیا تھا کہ اتنی محنت کے باوجود وہ میڈیکل میں نہ جا سکی تھی اور مرینہ جس نے محض ایس کا ساتھ نبھانے کے لیے ایف ایس سی میں بائیولی تھی، اب کے۔ ای کی اسٹوڈنٹ تھی۔

"شاید اسے ہی قسمت کہتے ہیں۔"

منیبہ نے اسے نظریں جھکائے جاتے دیکھا تو اٹھ کر کارپٹ پر پڑی پلیٹیں اور ڈرائی فروٹ ٹرے اٹھانے لگی اور عمر احسان نے کارپٹ پر پڑا ریموٹ اٹھا لیا۔ پھر سب ہی ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

رات بارش ٹوٹ کر برسی تھی اور یہ موسم سرما کی پہلی بارش تھی۔ ورنہ لگتا تھا جیسے نومبر کی طرح دسمبر بھی یوں ہی سوکھا سوکھا گزر جائے گا۔ لیکن دسمبر کے اس آخری ہفتے میں یہ بارش فلک شاہ کو خوش کر گئی

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

تھی۔

وہ بہت دیر سے اپنی وہیل چیئر پر بیٹھے کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ ان کے بیڈ روم کی اس کھڑکی سے باہر لان کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ صبح سے ہی وقفے وقفے سے ہلکی ہلکی پھوار برسنے لگتی تھی۔ پھول، پودے، درخت سب دھل کر نکھر گئے تھے۔ ورنہ ہر طرف دھول اڑ رہی تھی۔

لان میں مالی کے دونوں بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر یوں ہی بے دھیانی سے انہیں دیکھتے رہے، پھر یکایک ایک خیال حسرت کی طرح ان کے دل میں پیدا ہوا کہ وہ بھی ان بچوں کی طرح لان میں دوڑتے بھاگتے پھریں اور آسمان سے برستی ان بوندوں کو اپنی ہتھیلیوں کی اوک میں اکٹھا کریں، بالکل ایسے ہی جیسے... پھر ایک بھولا بسرا منظر ان کی آنکھوں کے آئینے میں آ ٹھہرا۔

وہ بارش میں یوں ہی ان بچوں کی طرح لان میں بھاگتے اور بھیگ کر خوش ہوتے تھے۔ ماڈل ٹاؤن کے اس وسیع و عریض گھر کا وہ بڑا سا لان جسے بڑے بڑے درختوں نے گھیر رکھا تھا۔ آم، لیچی، جامن، انار، امرود اور سفیدے کے درخت... پتا نہیں اب بھی وہاں یہ سب درخت ہیں یا راحت بھابھی نے کٹوا دیے ہیں... وہ کتنا چڑتی تھیں۔

"ان پھل دار درختوں پر صبح صبح ہی پرندے جمع ہو کر کتنا شور کرتے ہیں اور پتھلوں سے لان میں کتنی گندگی ہو جاتی ہے... جب دیکھو کچے پکے پھل نیچے گرے ہوتے ہیں۔ بس میں اس سال مصطفیٰ سے کہہ کر یہ سب درخت کٹوا دوں گی۔"

وہ ہر سال کہتی تھیں اور ہر سال بابا جان منع کر دیتے۔

"نہ، نہ بچے! اللہ ناراض ہو گا۔ بھلا پھل دار درختوں کو بھی کوئی کاٹتا ہے۔ منع ہے بچے! ان درختوں کو کاٹنا۔"

"آپ کو ان درختوں کا اتنا خیال تھا بابا جان! لیکن ہمارا ذرا خیال نہیں کیا آپ نے... کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ کیسا دل پتھر کر لیا آپ نے۔ ہم تو آپ کے کوئی نہیں تھے لیکن عمارہ تو آپ کی اپنی تھی۔ آپ کی لاڈلی تھی۔ بہت پیار تھا آپ کو اس سے۔ ہم سے اگر غلطی ہو گئی تھی تو آپ تو آ سکتے تھے نا ہمارے پاس... آپ ہی ہمیں معاف کر دیتے۔ ہمارے لیے نہ سہی عمو کے لیے ہی۔ ہمارے لیے "الریان" کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ یہ ظلم ہم نے خود اپنے آپ پر کیا تھا لیکن فلک مراد شاہ کے "مراد پیلس" کے دروازے تو ہمیشہ آپ کے لیے کھلے رہے کہ شاید... شاید آپ کبھی اپنی عمو سے ملنے آئیں... عمو کی آنکھیں تو ہمیشہ دروازے پر ہی لگی رہیں۔ ہر اہم موقع پر، لیکن بابا جان! آپ اتنے ظالم بھی ہو سکتے ہیں۔"

ان کے لبوں سے بے اختیار ایک سسکی نکل گئی۔ انہوں نے پوری شدت سے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا ڈالا۔ پتا نہیں کیوں انہیں لگا تھا کہ اگر انہوں نے خود کو نہ سنبھالا تو یہ سسکی چیخوں میں ڈھل جائے گی۔ ہونٹ کو دانتوں تلے دبائے انہوں نے پھر ایک نظر باہر لان پر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے بچوں کو دیکھا۔ ہلکی پھوار اب موٹی بوندوں میں ڈھل گئی تھی لیکن بچے اس سے بے پروا لان میں ایک دوسرے کے پیچھے یوں ہی بھاگ رہے تھے۔

"اس سردی میں بھیگنے سے بچے بیمار نہ ہو جائیں۔ پتا نہیں یہ مالی کہاں غائب ہے، انہیں منع بھی نہیں کرتا۔"

انہوں نے تیزی سے ہینڈل گھما کر اپنی کرسی کا رخ بدلا تو ان کی نظریں اندر آتی عمارہ سے ٹکرائیں، جو ہاتھوں میں گرم گرم بھاپ اڑاتی چائے کا کپ لیے آ رہی تھیں۔

عمارہ سے ہوتی ہوئی ان کی نظریں بے اختیار سامنے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف اٹھیں۔ دس بج رہے تھے۔ عمارہ کبھی نہیں بھولتی تھیں کہ وہ دس بجے ایک کپ چائے کا ضرور پیتے ہیں۔ خود انہیں بھی آج وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ ناشتے کے بعد

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

Khawateen Digest September 2012

سے وہ یونہی کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔

عمارہ نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا۔ وہ آسانی سے ہاتھ بڑھا کر کپ اٹھا سکتے تھے۔ عمارہ کپ رکھ کر بنا کچھ کہے واپسی کے لیے مڑ گئیں۔

پتا نہیں کیوں انہیں لگا کہ عمارہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں اور پلکیں بھیگی بھیگی سی ہیں۔ تو کیا عمارہ کو بھی اس برستی بارش میں "الریان" کی یاد آ رہی ہے۔ ایک گہرا درد ان کے دل کو چیرتا چلا گیا۔

"کیا الریان کو یاد کرنے کے لیے عمارہ کا دل کسی موسم کا محتاج ہے؟ وہ الریان کو کبھی بھول سکتی ہیں۔ جہاں انہیں نے آنکھ کھولی تھی، جہاں ان کا بچپن گزرا، لڑکپن آیا، جوانی آئی۔ جہاں کتنے خوب صورت دن ہنستے ماہ و سال انہوں نے اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ گزارے تھے۔ جہاں سے رخصت ہو کر وہ "مراد پیلس" آئی تھیں۔

"عمو!"

وہ بے اختیار انہیں پکار بیٹھے تھے۔ وہ مڑ کر دیکھنے لگیں۔

"اپنے لیے چائے نہیں لائیں؟"

"آپ کو پتا ہے نا میں اس وقت چائے نہیں پیتی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔"

"لیکن اس موسم میں ذرا سا ساتھ دے دو یا اس معذور کی رفاقت نے تمہیں اکتا دیا ہے۔"

"فلک!" عمارہ تڑپ کر آگے بڑھیں۔

"کیا آپ کو ایسی بات کرنا چاہیے۔ کیا میں نے کبھی کوئی کوتاہی کی۔ کیا میری محبت میں کبھی کوئی کمی محسوس کی آپ نے؟"

وہ بے اختیار شکوہ کر بیٹھیں۔ ان کی خوب صورت آنکھیں نم ہو گئیں۔

"سوری عمو!" فلک شاہ شرمندہ ہو گئے۔

"میں یہ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ کم از کم میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو دراصل اس خوبصورت موسم میں تھوڑی دیر کے لیے تمہاری رفاقت کا خواہاں تھا۔ پتا نہیں کیا کیا یاد آ رہا ہے۔"

عمارہ ان کی وہیل چیئر کے پاس ہی بیڈ کے کنارے پر ٹک گئیں۔

"عمو! ناراض ہو گئی ہو؟" فلک شاہ انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

"نہیں۔" عمارہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ذرا سا جھک کر چائے کا کپ اٹھا کر ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے شکریہ کہہ کر کپ عمارہ کے ہاتھ سے لے لیا۔

"عمو! مجھے معاف کر دو پلیز میری جلد بازی، میرے غصے کی وجہ سے "الریان" تمہارے لیے شجر ممنوعہ ہو گیا۔ سارے اپنے بچھڑ گئے۔"

"آپ بار بار کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ اتنی عمر گزر گئی۔ بچے جوان ہو گئے۔ کبھی میں نے آپ سے گلہ کیا، کبھی کہا کچھ؟"

"تو کہو نا؟" انہوں نے کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"گلہ کرو۔ لڑو جھگڑو۔ برا بھلا کہو۔ مجرم ہوں میں تمہارا، تمہیں تمہارے اپنوں سے جدا کرنے کا مجرم۔"

"مجھے کبھی آپ سے گلہ ہوا ہی نہیں فلک!" عمارہ کا لہجہ دھیما تھا اور نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"آپ کو بابا جان کی بات پر غصہ آ گیا تھا۔ آپ نے دانستہ تو ایسا نہیں کیا تھا نا۔ اور غصہ تو یوں بھی انسان کا دماغ خراب کر دیتا ہے۔" عمارہ نے وہیل چیئر کے ہتھے پر رکھے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

"دادا جان ہمیشہ مجھے کہتے تھے فلک شاہ! اپنے غصے پر کنٹرول کر۔ سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے تو اپنی۔ کہیں غصے میں اپنا ہی کوئی نقصان نہ کر بیٹھے۔۔۔ اور میں نے کتنا بڑا نقصان کر دیا عمارہ! تمہارا، اپنا، بچوں کا۔ میں تو مجرم ہوں تم سب کا۔ تم مجھے دل سے معاف کر دو عمو!"

وہ دونوں ہاتھ جوڑے معافی مانگ رہے تھے اور عمارہ کا دل جیسے پانی ہو کر آنکھوں سے بہہ نکلا تھا۔ انہوں نے بے اختیار ان کے جڑے ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں بھینچ لیا اور اب ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبائے روئے چلی جا رہی تھیں۔

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

KnaWateen Digest September 2012

پاکستان .WEB.PK

پاکستان ویب کی پیش کش

خواتین ڈائجسٹ کا یہ شمارہ آپ کے لئے پاکستان ویب (Pakistan.web.pk) نے پیش کیا ہے۔

آیئے، آپ بھی پاکستان ویب کا ساتھ دیں:

پاکستان ویب پر رجسٹر ہو کر، اِس کے ممبر بن کر، اِس کا قابل فخر حصہ بنئے!

اپنے دوست احباب کو پاکستان ویب کے بارے میں بتائیں اور اُنہیں بھی ممبر بننے کی دعوت دیجئے!

پاکستان ویب کا لائبریری سٹاف گروپ جوائن کر کے اُردو اَدب کے فروغ کی کوششوں میں حصہ ڈالئے!

پاکستان ویب جوائن کر کے دنیا میں پاکستان کا نام اور اِس کا اسلامی و قومی تشخص بہتر بنایئے!

پاکستان ویب کے اخراجات ادا کرنے میں اِنتظامیہ کے ساتھ تھوڑا بہت مالی تعاون بھی کیجئے تا کہ پاکستان کی یہ منفرد ویب سائٹ اپنی بہترین خدمات پاکستان اور آپ جیسے محب وطن پاکستانیوں کیلئے جاری رکھ سکے!

جزاک اللہ خیر!

www.Pakistan.web.pk

محب وطن پاکستانیوں کی معیاری فیملی تفریحی سوشل ویب سائٹ!

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

آج بہت دنوں بعد فلک شاہ پر یہ قنوطیت اور دل گرفتی کا دورہ پڑا تھا اور ایسے وقت میں صرف ایبک ہی تھا جو انہیں اس ڈپریشن سے باہر لاتا تھا اور ایبک پتا نہیں کب واپس آئے گا تب تک فلک شاہ یونہی بے چین رہیں گے۔ عمارہ نے تاسف سے سوچا اور فلک شاہ کے ہاتھوں پر اپنی گرفت اور سخت کردی۔

"آپ نے غصے میں بہت غلط بات کردی تھی اور یہ آپ کا فعل تھا' آپ کی غلطی تھی۔ ہم "الریان" نہیں جاسکتے لیکن بابا جان کو کس چیز نے یہاں آنے سے روکے رکھا فلک! کیا والدین اور بچوں کے درمیان بھی انا ہوتی ہے اور وہ سب جو میرے ماں جائے تھے جن کے ساتھ میں نے اپنا بچپن' اپنا لڑکپن گزارا تھا۔ ان سب نے بھی مجھے یوں جھٹک کر پھینک دیا جیسے میں کوئی اچھوت تھی' جیسے۔۔۔"

عمارہ کی ہچکی بندھ گئی۔ پچیس سالوں میں پہلی بار عمارہ نے اپنوں کی بے حسی کا گلہ کیا تھا۔

"زارا اور اماں جان کے بعد تو میں جیسے "الریان" کے باسیوں کے لیے ایک بھولا بسرا خواب بن گئی ہوں۔ کیوں کیا انہوں نے میرے ساتھ ایسا۔۔۔ کیوں مومی! کیوں۔۔۔؟"

وہ ان کے ہاتھ چھوڑ کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ فلک شاہ نے بے اختیار اپنا بازو پھیلا کر عمارہ کا سر اپنے ساتھ لگالیا۔ آج بڑے عرصہ بعد انہوں نے انہیں "مومی" کہہ کر بلایا تھا۔ ان کے کندھے پر سر رکھے عمارہ پھر سسکی تھیں۔

"کیوں مجھے الگ کردیا انہوں نے۔"

اور اس کیوں کا جواب توان کے پاس بھی نہیں تھا۔ نو سال پہلے زارا کی موت کے بعد تو جیسے "الریان" کی طرف کھلنے والا ہر دروازہ بند ہوگیا تھا۔ زارا ان کے لیے وہ روزن تھی' جس کے طفیل وہ "الریان" کے ہر دکھ سکھ کو جان لیتے تھے۔ "مراد پیلس" میں رہ کر بھی وہ "الریان" کے ہر دکھ پر دکھی ہوتے اور ہر سکھ پر خوش ہوتے۔

"یہ زندگی اتنی ظالم کیوں ہوتی ہے مومی! یہ ہم جیسے کمزور انسانوں سے ایسے امتحان کیوں لیتی ہے؟"

عمارہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ فلک مراد شاہ بے حد مضطرب اور بے چین ہوگئے تھے۔

"اب کے ایبک لاہور سے آئے تو میں اسے کہوں گا کہ وہ عثمان بھائی' مرتضیٰ بھائی' مصطفیٰ بھائی سب کو یہاں لے کر آئے۔ میں خود انہیں فون کروں گا۔ منت کرلوں گا۔ ہاتھ جوڑ کر بابا جان سے معافی مانگ لوں گا۔"

"نہیں ہرگز نہیں۔ اگر انہیں خود مجھ سے ملنے کی چاہ نہیں' میرا خیال نہیں تو پھر میں کیوں۔۔۔ نہیں پلیز آپ ایبک سے کچھ نہیں کہیں گے۔"

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ والدین اور بچوں کے درمیان کیسی انا۔۔۔ تو تم ہی اس جھوٹی انا کا بت توڑ دو۔ عمو! اپنے اوپر ظلم مت کرو۔ اتنے سالوں سے تم خود کو اپنوں سے جدائی کی سزا دے رہی ہو لیکن اب۔۔۔ میری طرف سے اجازت ہے تم مجھے چھوڑ کر۔۔۔"

"آپ جانتے ہیں نا فلک! میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر مجھے چھوڑنا ہوتا تو اس وقت چھوڑ دیتی۔ اب تو آپ کو میری اور مجھے آپ کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے' پھر آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔"

آنسو پھر ان کی آنکھوں میں مچلنے لگے اور فلک شاہ چپ چاپ عمارہ کو دیکھے چلے گئے۔ غلطی تو ساری ان کی تھی اور اس غلطی کا خمیازہ عمارہ بھگت رہی تھیں پچھلے پچیس سال سے۔ کوئی مرجائے تو صبر آجاتا ہے لیکن یہ جیتے جی جدائیوں کے عذاب۔۔۔ انہوں نے پل پل عمارہ کو مرتے دیکھا تھا۔ اگر عمارہ ان کی غلطی کی وجہ سے "الریان" نہیں جاسکتی تھیں تو پھر وہ کون سی مصلحتیں تھیں' جنہوں نے مصطفیٰ' مرتضیٰ' عثمان' احسان اور بابا جان کو پچیس سالوں سے یہاں آنے سے روکے رکھا تھا۔

"ارے! چائے ٹھنڈی ہوگئی ہے۔ میں اور بنا کر لاتی ہوں۔" عمارہ نے دائیں ہاتھ کی پشت سے رخسار

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

صاف کیے اور کپ لینے کو ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں بس ٹھیک ہے۔" فلک شاہ نے ٹھنڈی چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا اور یہ ان کا حد سے زیادہ بڑھا ہوا ڈپریشن تھا کہ انہوں نے ٹھنڈی چائے چند گھونٹوں میں پی لی ورنہ عام حالت میں وہ ٹھنڈی چائے کبھی نہیں پیتے تھے۔ عمارہ چپ چاپ انہیں دیکھے گئیں۔ وہ بے چینی سے اپنی انگلیاں مروڑ رہے تھے۔

"چاہے تم کچھ بھی کہو عمارہ! لیکن میں اس کے لیے خود کو کبھی معاف نہیں کرسکتا کہ میں تمہارے پیاروں کی دوری کا سبب بنا ہوں۔"

"ہمارے درمیان بہت پہلے یہ بات طے ہوگئی تھی کہ ہم اس موضوع پر کبھی بات نہیں کریں گے پھر آپ کیوں خود کو اذیت دیتے ہیں۔" عمارہ نے افسردگی سے انہیں دیکھا۔

فلک شاہ کی نظریں ان کے چہرے کا طواف کرکے اب وہیل چیئر کے ہتھے پر جمی تھیں۔

وہ عمارہ کو یہ نہ بتاسکے کہ جب سے ایبک نے الریان میں جانا شروع کیا تھا اور جس بے چینی سے عمارہ وہاں کے ایک ایک فرد کے بارے میں دس دس بار پوچھتی تھیں۔ وہاں کی ایک ایک چیز کی تفصیل جاننے کی خواہاں ہوتی تھیں۔ ایسے میں تو ان کا احساس جرم بڑھ جاتا تھا۔ کبھی کبھی کچوکے لگاتا یہ احساس اس وقت ناقابل برداشت ہوجاتا تھا۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ وقت کی طنابیں کھینچ لیں۔ وقت کو واپس لے آئیں وہیں سے جہاں سے زندگی نے پلٹا کھایا تھا اور سب کچھ پہلے جیسا ہی ہوجائے۔

وہ "الریان" کی اسٹڈی میں بابا جان سے لمبی لمبی بحثیں کرنا۔ عثمان اور احسان کے ساتھ مال پر گھومنا۔ شام کے وقت لان میں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے دنیا جہان کی باتیں کرنا۔ اماں جان سے لاڈ اٹھوانا۔ زارا کی ذرا ذرا سی فرمائش پوری کرنا۔ یہ سب وہ کیسے واپس لاتے۔

انہوں نے افسوس سے ہاتھ ملے اور عمارہ پر ایک بے بس سی نظر ڈالی جو چائے کا خالی کپ اٹھا کر کھڑی ہوگئی تھیں۔ "میں گرم چائے لاتی ہوں۔"

"نہیں رہنے دو۔ جی نہیں چاہ رہا۔"

انہوں نے آنکھیں موند کر سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا اور پھر سینما کی اسکرین کی طرح کئی منظر آنکھوں کے سامنے آتے چلے گئے۔

وہ دادا جان کی انگلی پکڑے "الریان" کے سیاہ گیٹ پر کھڑے حیرت اور خوف سے اس خوفناک کتے کو دیکھ رہے تھے' جو گیٹ کے دائیں طرف بنی باڑ کے اوپر سے جھانک رہا تھا۔ اس کی لمبی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور اس کی سرخ سرخ آنکھیں جیسے انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔ غیر ارادی طور پر انہوں نے دادا جان کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ یہ غالباً "الریان" کے ساتھ والے گھر کے لان کی باڑ تھی اور باڑ کے اس طرف وہ خوفناک کتا تھا۔

وہ سید عبدالرحمٰن کا گھر تھا جو اس کے پاپا کے دوست تھے اور دادا جان سے ان کی کوئی دور کی رشتہ داری بھی تھی۔ دادا جان نے انہیں بتایا تھا کہ انہیں اب کچھ عرصہ یہاں رہنا ہے۔ وہ بہت روئے تھے۔ وہ اپنا گھر چھوڑ کر یہاں نہیں آنا چاہتے تھے لیکن دادا جان نے انہیں سمجھایا تھا کہ صرف چند ماہ کی بات ہے۔ اس کے پاپا کا آپریشن ہوجائے گا تو پھر وہ واپس لے جائیں گے۔

"پاپا ٹھیک تو ہوجائیں گے نا۔ آپ انہیں ساتھ لے کر آئیں گے پہلے کی طرح وہاں تو نہیں چھوڑ آئیں گے۔"

"نہیں میری جان! اللہ نے چاہا تو ہم جلد ہی واپس آئیں گے اور آپ کے پاپا میرے ساتھ ہوں گے بالکل صحت مند۔ آپ بس دعا کرنا۔"

"لیکن وہاں گھر میں دادو بھی تو اکیلی ہوں گی نا' میں ان کے پاس کیوں نہیں رہ سکتا۔" وہ سات آٹھ سال کے تھے لیکن بلا کے ذہین تھے۔ ایسے ایسے سوال کرتے کہ دادا جان بھی کبھی کبھی زچ ہوجاتے۔

"کوئی مسئلہ ہے نا بیٹا! آپ کی دادو ایک کمزور

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

عورت ہیں۔ آپ یہاں زیادہ محفوظ رہیں گے۔ مجھے اور آپ کے پاپا کو وہاں بہت فکر رہے گی آپ کی اور پاپا پریشان ہوئے تو جلدی صحت مند نہیں ہوں گے۔"

"اچھا۔" پاپا کی خاطر وہ مان گئے تھے۔ لیکن وہاں اس بڑے سے سیاہ گیٹ کے پاس کھڑے کھڑے انہوں نے پھر ایک جواز تراشا تھا۔

"دادو تو مجھے یاد کر کے روتی رہیں گی۔ آپ ایسا کریں مجھے واپس ان کے پاس ہی لے جائیں۔ میں انہیں بالکل تنگ نہیں کروں گا۔"

"مجھے پتا ہے میرا بیٹا بہت اچھا ہے، بہت پیارا۔ وہ تو کسی کو بھی تنگ نہیں کرتا۔ اور آپ کے انکل عبدالرحمٰن آپ کو دادو سے ملانے بھی لے جائیں گے اور آپ ان سے فون پر بھی بات کرتے رہنا۔"

اس وقت وہ آٹھ سال کے بھی نہیں ہوئے تھے لیکن یہ سب کچھ انہیں اس طرح یاد تھا جیسے ابھی کل کی بات ہو اور وہ "الریان" کے باہر دادا جان کی انگلی پکڑے کھڑے ہوں اور باڑ کے اوپر سے وہ خوفناک کتا اپنی لمبی زبان باہر نکالے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے انہیں گھور رہا ہو۔

اور پھر منظر بدلا۔

وہ "الریان" کے ٹی وی لاؤنج میں سید عبدالرحمٰن سے مل رہے تھے۔ جنہیں بعد میں وہ سب کی طرح بابا جان کہنے لگے تھے۔ بابا جان انہیں اتنے والہانہ انداز میں ملے تھے جیسے برسوں سے جانتے ہوں۔

"کب روانگی ہے آپ کی اور سلجوق کی۔" اسے اپنے ساتھ لگائے لگائے انہوں نے دادا جان سے پوچھا تھا اور پتا نہیں کیوں انہیں لگا تھا جیسے ان کی آنکھیں یکبارگی نم ہو گئی تھیں اور دادا جان نے ہولے سے ان کا ہاتھ دبایا تھا۔

"عبدالرحمٰن بیٹا! اپنے دوست کے لیے دعا کرنا۔"

اور پھر لاؤنج لوگوں سے بھر گیا تھا اور بابا جان ان کا تعارف کروا رہے تھے۔

"یہ آپ کے بھائی ہیں اور اب یہ کچھ عرصہ یہاں رہیں گے۔" انہوں نے اپنے سامنے موجود چاروں لڑکوں سے کہا تھا۔

"ہمیشہ کیوں نہیں؟" یہ بھوری آنکھوں والا احسان تھا، جو ان چاروں میں چھوٹا اور تقریباً" ان کا ہم عمر تھا۔ اس نے بہت بے تکلفی سے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ان سے دو سال بڑے عثمان اور ان سے بڑے مرتضیٰ اور ان سے بڑے مصطفیٰ تھے۔ جو بڑے سنجیدہ اور بردبار لگ رہے تھے اور ان کے ہاتھ میں کتاب بھی تھی۔

"بابا جان! میں جاؤں میرا کل ٹیسٹ ہے اکیڈمی میں؟"

وہ یکدم ہی اس دبلے پتلے لمبے سے لڑکے سے مرعوب ہو گئے تھے جو چھٹیوں میں بھی پڑھتا تھا۔

احسان سے چھوٹی عمارہ تھی، جو دو چھوٹی چھوٹی پونیاں کیے مصطفیٰ کے ساتھ جڑی کھڑی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں چاکلیٹ اور دوسرے میں گڑیا تھی۔

"ماشاءاللہ بہت پیارے بچے ہیں۔" دادا جان نے سب کو پیار کیا تھا اور جب وہ عمارہ کو پیار کر رہے تھے تو اس نے بتایا تھا۔

"ہماری ایک اور بہن بھی ہے۔ اللہ میاں نے فرشتوں کے ساتھ ہمارے لیے گفٹ بھیجا ہے اور جب وہ بڑی ہو گی تو ہمارے ساتھ کھیلے گی۔ فرشتے اسے نوکری میں رکھ کر اماں جان کو دے گئے تھے۔"

"بے وقوف۔" احسان نے اسے ٹوکا۔ "اماں جان اسے ہسپتال سے لائی ہیں اور اس کا نام زارا ہے۔ آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔ وہ اماں جان کے کمرے میں سو رہی ہے۔" احسان نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

زارا صرف پندرہ دن کی تھی اور "الریان" میں ان بچوں، اماں جان اور بابا جان کے علاوہ مردہ پھپھو، عبداللہ چچا اور دادی اماں تھیں جنہیں سب بڑی اماں کہتے تھے۔ عبداللہ چچا کی دلہن، بینا چچی جن کی سب بچوں سے بے حد دوستی تھی مگر خود شادی کے سات سال کے بعد ابھی تک بے اولاد تھیں۔ مردہ پھپھو کی ایک دو ماہ تک شادی ہونے والی تھی۔ عنایت بی بی کچن کا کام سنبھالتی تھیں۔ "الریان" کے پچھلے لان کی طرف تمام ملازموں کے کوارٹرز تھے۔

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

دادا جان اسی شام واپس چلے گئے تھے۔ "الریان" بہت اچھا لگا تھا۔ حالانکہ بہال پور میں ان کی اپنی حویلی بھی کم شاندار نہ تھی۔ آرائشی آئینوں والی چھتیں، رنگین شیشوں والے دروازے اور کھڑکیاں، حویلی سے ملحق چھوٹا سا باغ، بڑے سے لکڑی کے نفیس گیٹ کے اوپر لگی نیم پلیٹ پر سنہری حرفوں میں لکھا "مراد پیلس۔" یہ سب انہیں بہت اچھا لگتا تھا۔ لیکن "الریان" آنے کے بعد تو انہیں صرف "الریان" ہی اچھا لگنے لگا۔ شاید اس لیے کہ "الریان" میں اتنے سارے لوگ تھے اور "مراد پیلس" میں صرف وہ تھے۔ دادا جان اور دادی جان تھیں اور پاپا جو بہت کم بولتے تھے۔

ان کا دل "الریان" میں لگ گیا تھا۔ مصطفیٰ، عثمان، احسان سب ہی چند دنوں میں ان سے گھل مل گئے تھے۔ بس زارا کو گود میں لینے کے لیے سب کی معصوم سی لڑائیاں ہوتیں۔ مگر مصطفیٰ بڑا ہونے کا فائدہ اٹھا کر اسے اچک لیتے۔ وہ ابھی گیارہ بارہ سال کے تھے لیکن وہ ان کا بہت خیال کرتے تھے اور پھر ایک دن مصطفیٰ نے بہت فراخدلی سے زارا کو ان کی گود میں دیتے ہوئے اعلان کیا تھا۔

"آج سے زارا فلک مراد شاہ کی بہن ہے۔ ہم تو اتنے سارے بھائی ہیں اور پھر ہمارے پاس عمارہ بھی ہے لیکن فلک کے پاس کوئی نہیں ہے تو آج سے زارا کو صرف فلک ہی گود میں اٹھائے گا۔"

"کبھی کبھی عثمان اور احسان بھی اٹھالیں گے۔" انہوں نے بھی فراخدلی سے اعلان کیا تھا۔

اس روز دادا جان کا فون آیا تو بڑی خوشی سے انہوں نے دادا جان کو بتایا تھا کہ زارا کو مصطفیٰ نے مجھے دے دیا ہے۔ اور دادا جان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ زارا کے لیے بھی بہت سی چاکلیٹ لائیں گے۔ بس وہ اپنے پاپا کے لیے بہت سی دعائیں کریں۔ اس روز ان کا آپریشن تھا۔ "الریان" میں محبتیں ہی محبتیں تھیں ان سب نے پاپا کے لیے بہت سی دعائیں کی تھیں۔

وہ ہر بار انہیں یاد دلاتے تھے کہ انہیں پاپا کو ساتھ لے کر آنا ہے۔ وہاں ہسپتال میں ہی نہیں چھوڑنا۔ انہیں پاپا بہت یاد آتے تھے۔

دادا نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔ وہ پاپا کو اپنے ساتھ ہی لائے تھے لیکن اس طرح نہیں جیسے وہ گئے تھے بلکہ تابوت میں بند۔ خاموش آنکھیں بند کیے وہ پرسکون نیند سو رہے تھے۔

ایک اور منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔

"الریان" کے لان میں وہ عمارہ کا ہاتھ تھامے ٹہل رہے تھے اور عمارہ انہیں بتا رہی تھی کہ وہ پڑسیوں کے ڈوگی سے بالکل نہیں ڈرتی اور ابھی ڈوگی باہر نکلے گا تو دونوں اسے دیکھنے چلیں گے۔ تب ہی مصطفیٰ اندرونی دروازہ کھول کر تقریباً" بھاگتے ہوئے لان میں آئے تھے۔

"مومی.... مومی آپ کے...."

یہ نام احسان نے انہیں دیا تھا۔ اسے فلک مراد شاہ بہت مشکل نام لگتا تھا۔

مصطفیٰ ان کا ہاتھ پکڑے انہیں اندر لے گئے تھے۔ لونگ روم میں سب جمع تھے۔ بینا چچی، بڑی اماں، عبداللہ چاچو، اماں جان اور مرتضیٰ۔ بابا جان رو رہے تھے اور بڑی اماں ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے انہیں تسلی دے رہی تھیں۔

"وہ میرا بہت پیارا دوست تھا اماں جان! بہت اچھا بہت حساس دل۔" پھر ان کی نظر فلک پر پڑی اور وہ تڑپ کر اٹھے اور اسے اپنے دونوں بازوؤں میں بھر لیا اور پہلے سے زیادہ شدت سے رونے لگے تھے۔

ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیوں رو رہے ہیں۔ انہوں کا احساس ان کے دل میں نیچے گاڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ بابا جان کے بازوؤں میں دبکے سہمے سب کی پرنم آنکھوں کو دیکھ رہے تھے تب عبداللہ چاچو نے انہیں عبدالرحمٰن کے بازوؤں سے نکالا تھا۔

"بھائی! حوصلہ کریں۔ آپ نے فلک کو پریشان کر دیا ہے۔ بچہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔" بڑی اماں ان کے پاس بیٹھے ـــــ ہولے ہولے ان کی پیٹھ سہلا رہی تھیں۔ اور نرم لفظوں میں انہیں تسلی دے رہی

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

تھیں۔

"عبداللہ تم ..... تم بتادو فلک کو۔ میں نہیں بتاسکتا۔"

وہ تیز تیز چلتے لونگ روم سے نکل گئے تھے اور عبداللہ چچا نے انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بہت نرمی سے اور دھیمے لہجے میں دنیا کی سب سے سفاک حقیقت بتائی تھی۔

پھر ایک اور منظر آنکھوں کے سامنے سے آکر گزر گیا۔ وہ اپنے دادا جان کے ہمراہ "مراد پیلس" آگئے۔

وہ "الریان" جانا چاہتے تھے۔ انہیں سب یاد آرہے تھے۔ عثمان، حسان، زارا، عمارہ، لیکن وہ دادا جان اور دادی جان کے ساتھ بھی رہنا چاہتے تھے۔ دادا جان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں کبھی کبھی "الریان" میں سب سے ملانے لے جایا کریں گے اور ابھی ان کے پاپا کو اس دنیا سے گئے ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ آگئیں۔

"میں زرین ہوں، سلجوق کی سابقہ بیوی۔ میں نے تین چار ماہ پہلے فون کیا تھا کہ میں اپنے بچے کو لینے آرہی ہوں لیکن آپ اور سلجوق بچے کو لے کر غائب ہی ہوگئے۔"

"ہم غائب نہیں ہوئے تھے۔ میں سلجوق کو علاج کے لیے انگلینڈ لے کر چلا گیا تھا اور....."

"بچے کو کہیں چھپا دیا۔" زرین نے بات کاٹی۔ "جب بھی میں نے فون کیا کہ میں اپنے بچے سے ملنے آرہی ہوں، سلجوق کی والدہ نے جواب دیا کہ بچہ فی الحال یہاں نہیں ہے۔ اب کہاں ہے میرا بچہ۔"

اس وقت وہ اور دادا جان پاپا کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر آرہے تھے۔ وہ گیٹ کے پاس ہی انہیں ملی تھی۔ غیر ارادی طور پر دادا جان کی گرفت ان کے ہاتھ پر مضبوط ہوگئی تھی۔ "آپ اندر چل کر بات کریں اور موی بیٹا! آپ اندر جائیں۔"

تب اس خاتون نے پہلی بار غور سے انہیں دیکھا تھا۔

"یہ..... میرا بیٹا ہے نا!" اور پھر جیسے یقین نے ان کی آنکھوں میں چمک پیدا کردی تھی۔ وہ بے اختیار ان کی طرف بڑھی تھی۔

"کیا..... کیا نام ہے اس کا۔"

"فلک..... فلک مراد شاہ۔" دادا جان کے لبوں سے نکلا تھا مگر وہ اس کی پھیلی بانہوں کو نظرانداز کرکے اندر بھاگ گئے تھے۔

پھر ایک اور منظر بدلا۔

ان کے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھی وہ عورت اور عاجزی سے بات کرتے دادا جان، خاموش بیٹھی دادی جان اور دادی جان سے جڑے بیٹھے وہ.....

"زرین بیٹا! آپ نے سلجوق کو لکھ کر دیا تھا کہ آپ کا اپنے بیٹے سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے اور آپ اپنی مرضی سے اسے اس کے باپ سلجوق کے حوالے کررہی ہیں۔" دادا جان کا لہجہ دھیما تھا۔

"لیکن اب سلجوق مرچکا ہے اور یہ میرا بیٹا ہے۔ ماں سے زیادہ کس کا حق ہے بیٹے پر۔"

اس کے لہجے کی بے رحمی انہیں بہت بری لگی تھی۔

"اس وقت یہ مامتا کہاں گئی تھی، جب صرف دو دن کا چھوڑ کر چلی گئی تھیں تم۔ صرف آٹھ دن کا تھا یہ، جب میری گود میں سلجوق نے اسے ڈالا تھا۔ میں نے راتوں کو جاگ کر اسے پالا ہے۔ اب تم حق دار بن کر آگئی ہو۔ جاؤ راہ دیکھو اپنی..... دھکے مار کر نکلوا دوں گی باہر۔ میرے بیٹے کی قاتل ہو۔ مار دیا تم نے میرے بیٹے کو۔"

دادی جان یک دم غصے میں آگئی تھیں اور وہ سہم کر دادا جان کے پاس جا بیٹھے تھے۔ دادا جان نے معذرت طلب نظروں سے زرین کو دیکھا تھا۔

"جوان بیٹے کی موت کا صدمہ ابھی تازہ ہے۔ آپ ان کی باتوں کا برا مت مانا۔ جب آپ کا فون سلجوق کے پاس آیا تھا کہ آپ اپنے بیٹے سے ملنا چاہتی ہیں تو اس کے صرف تین دن بعد ہماری لندن روانگی تھی۔ سلجوق زندہ رہتا تو وہ ضرور آپ سے آکر رابطہ کرتا۔

اب بھی آپ جب چاہیں آکر ملیں۔ جتنے دن چاہیں حویلی میں رہیں لیکن اسے ہم سے جدا نہ کریں۔ یہ ہمارا اکلوتا پوتا ہے۔ سلجوق کا وارث۔" دادا جان اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہے تھے۔ منتیں کررہے تھے۔

اور پھر ایک اور منظر..... وہ عورت جس کے متعلق دادا جان نے بتایا تھا کہ وہ ان کی ماما ہیں اور انہیں لینے آئی تھیں۔ ان کے دل میں اس کے لیے کوئی جذبہ پیدا نہ ہوا تھا۔ وہ دادی جان سے لپٹے جارہے تھے۔

"میں نہیں جاؤں گا کبھی بھی۔"

دادی جان زار و قطار روئے جارہی تھیں۔ بار بار انہیں لپٹاتی، چومتی تھیں۔ دادا جان خاموش کھڑے تھے۔ اور وہ عورت لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔ دادی نے اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کا بچے پر کوئی حق نہیں ہے۔ اس روز تو وہ چلی گئی تھی لیکن پھر اس نے بچے کی کسٹڈی کے لیے کیس کردیا تھا۔

وہ ماں تھی..... اس کا حق صائب تھا۔ پھر وہ برطانوی شہری تھی۔ اس کی پشت پر اس کا سفارت خانہ تھا۔ انہوں نے بہت بڑا وکیل کیا تھا لیکن عدالت نے زرین کے حق میں فیصلہ کیا تھا اور اس دن وہ بڑے غرور سے سر اٹھائے یوں دادی جان کو روتے دیکھ رہی تھی جیسے کوئی تماشا ہو۔ پھر اس نے انہیں دادی کی آغوش سے کھینچ لیا۔

"بس کریں یہ ڈراما۔"

"بیٹا! کبھی کبھی ہم اس سے بات کرسکتے ہیں؟" دادا جان سراپا التجا بنے کہہ رہے تھے۔

"نہیں۔" اس نے سختی سے منع کردیا تھا۔

"آپ چاہتے ہیں کہ یہ کبھی وہاں ایڈجسٹ نہ ہوسکے۔" تب انہوں نے اس عورت کے لیے اپنے دل میں بڑی نفرت محسوس کی تھی۔

پھر یکے بعد دیگرے کئی منظر نگاہوں کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ فلک شاہ نے دونوں ہاتھوں سے سر کی کنپٹیوں کو دبایا۔ لندن میں اس شاندار اپارٹمنٹ میں فیروز خان جھگڑ رہا تھا۔

"اسے کسی چائلڈ کیئر ہوم میں بھیج دو۔ میں اسے برداشت نہیں کرسکتا۔"

"تم ہی نے کہا تھا اسے لے کر آؤ۔" زرین اس سے زیادہ اونچی آواز میں چیخی تھی۔

"ہاں لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ سر پر سوار کرلو۔ میں نے کہا تھا جو شخص لندن جیسے شہر میں اس مہنگے ترین علاقے میں دو دن کے بچے کے عوض اتنا لگژری اپارٹمنٹ دے سکتا ہے، وہ بچہ مانگنے پر مزید بہت کچھ دے سکتا ہے۔"

"لیکن..... میں نے تمہیں بتایا تھا کہ سلجوق مرچکا ہے۔"

"تو تم احمق عورت! بجائے اس کے کہ اس کے دادا سے سودا کرتیں، اسے اٹھا کر لے آتیں۔ اتنی بڑی حویلی جائیداد دیکھ کر رال ٹپک پڑی ہوگی تمہاری اور تم نے سوچا ہوگا کہ اس کے توسط سے اتنی دولت کی مالک بن جاؤ گی۔"

"تو یہ راہ بھی تم نے دکھائی تھی۔ تم ہی نے کہا تھا لے آؤ۔ بالغ ہونے پر وراثت کا دعوا کردینا۔"

"میں نے تمہیں یہ بھی تو بتایا تھا کہ قانوناً" تم دعوا کرکے کچھ حاصل نہیں کرسکتیں کیونکہ اسلام میں باپ کی زندگی میں بیٹا فوت ہوجائے تو وراثت ختم ہوجاتی ہے۔ اس لیے یوں ہی بات چیت اور سودے بازی سے حاصل کرلو کچھ لیکن آٹھ سالوں بعد مامتا ابل پڑی تھی تمہاری۔ دے دو اسے کسی یتیم خانے میں یا اس کے دادا اسے اس کا خرچ مانگو۔"

یہ باتیں ہر تین چار دن کے وقفے سے دہرائی جاتیں پھر فیروز پاؤں سے ٹھوکریں مارتا غصے سے باہر چلا جاتا۔ زرین کبھی کبھی فیروز کے غصے سے سہم جاتی۔ اسے چیزوں کے ٹوٹنے کا بہت دکھ ہوتا تھا جو فیروز کی ٹھوکروں کی زد میں آتی تھیں۔ اور پھر وہ بھی فیروز کی طرح غصہ کرنے لگے۔

کھانا پسند کا نہ ہوتا تو برتن پھینک دیتے۔ اسکول جانے کا جی نہ چاہتا تو بیگ کو ٹھوکر مار کر اپنے کمرے میں گھس جاتے۔ زرین کبھی کبھی حیران ہوجاتی۔

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

"سلجوق تو ایسا نہ تھا تم کس پر چلے گئے۔ وہ تو بہت دھیمے مزاج کا تھا۔"

لیکن ان چار سالوں میں جو انہوں نے زریں کے ساتھ گزارے تھے، وہ بہت غصیلے اور چڑچڑے ہو گئے تھے۔

تین سال بعد زریں اور فیروز کا زبردست جھگڑا ہوا تھا۔ زریں نے فیروز کو گھر سے نکلنے کو کہہ دیا۔

"یہ میرا گھر ہے۔ تم جہاں چاہو چلے جاؤ۔"

اس روز زریں نے تین سال بعد ان کی دادا جان اور دادی جان سے بات کروائی تھی۔

اور پھر ایک اور منظر...

وہ ایرپورٹ پر اس عورت کو خدا حافظ کہہ رہے تھے جو ان کی ماں تھی لیکن کبھی بھی انہیں ماں کی طرح نہیں لگی تھی لیکن اس وقت ایرپورٹ پر اسے خدا حافظ کہتے ہوئے وہ اداس تھے۔

"مجھے یقین ہے، تم وہاں بہت خوش رہو گے۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم کیا کہ تمہیں وہاں سے لے آئی۔ مجھے معاف کر دینا۔"

"آپ بھی پاکستان چلیں اور وہاں ہمارے ساتھ رہیں۔ دادا جان کبھی منع نہیں کریں گے۔" پہلی بار انہوں نے اس عورت کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ محسوس کیا تھا۔

"ہاں! مجھے علم ہے، وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ تمہارے پاپا بھی بہت اچھے تھے۔ میں دراصل بہت بیمار ہوں۔ اگر میں صحت یاب ہو گئی تو تم سے ملنے آؤں گی۔"

لیکن وہ ٹھیک نہیں ہوئی اور ان کے پاکستان آنے کے صرف چھ ماہ بعد اس کا انتقال ہو گیا تھا اپنی موت سے صرف دو دن پہلے اس نے ان سے بات کی تھی اور ان سے دعا کرنے کے لیے کہا تھا۔

"الریان" سے سب ہی انہیں ملنے آئے تھے۔ "مراد پیلس" میں ان کی واپسی پر جشن کا سماں تھا۔

وہ واپس آکر خوش تھے۔ دادا جان نے انہیں اسکول میں بھی داخل کروا دیا تھا۔ چھٹیوں میں وہ "الریان" جاتے اور دو ہفتے وہاں ٹھہرتے...

ایک گہری سانس لے کر انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ باہر سے عمارہ کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کسی سے بات کر رہی تھیں۔ پھر ان کے کانوں میں انجم کی آواز آئی۔

تب ہی عمارہ اور انجم اندر داخل ہوئیں۔ انجم نے بڑی وارفتگی کے ساتھ ان کے ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگا لیے۔ "کیسے ہیں بابا!"

"بالکل ٹھیک۔" وہ مسکرائے اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"اور تم ٹھیک ہو نا۔ جواد کیسا ہے۔"

"ہم دونوں ٹھیک ہیں۔ جواد مجھے گیٹ پر ہی چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ کھانے تک آ جائیں گے۔" عمارہ نے مسکرا کر انجم کو دیکھا۔

"اگر تم نہ آتیں تو میں خود فون کرنے والی تھی۔ تمہارے بابا آج بہت اداس ہو رہے تھے۔ اب تم دونوں باپ بیٹی باتیں کرو۔ میں ذرا رقیہ بی کو کھانے کا بتا دوں کہ کھانے پر جواد بھی ہو گا۔"

وہ جو کچھ دیر پہلے پریشان ہو رہی تھیں اب مطمئن سی ہو کر باہر نکل گئیں اور فلک مراد شاہ انجم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

برش کرتے ہوئے اس نے آئینے میں اپنا بغور جائزہ لیا اور اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ وہ بلاشبہ ایک خوب صورت نوجوان تھا۔ نیلی آنکھیں، براؤن بال۔ پہلی نظر میں تو وہ کوئی غیر ملکی لگتا تھا۔

"یہ آپوں آپ کیوں مسکرایا جا رہا ہے؟" سمیرا نے برآمدے میں بچھی ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

احمد رضا نے برش آئینے کے سامنے لگے ریک پر رکھتے ہوئے بغیر مڑے جواب دیا۔

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

"یونہی۔" اور پھر مڑ کر ٹیبل کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

اس نے احمد کو مکھن لگا کر سلائس پکڑایا اور اپنے لیے سلائس کے اندر تھوڑا سا آملیٹ بھر کر رول سا بنا لیا۔ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے احمد نے سمیرا کی طرف دیکھا۔

"سمو! کیا تم اپنی زندگی سے مطمئن ہو؟"

"ہاں... غیر مطمئن ہونے والی کون سی بات ہے۔" سمیرا نے اپنے کپ میں چائے انڈیلی اور احمد کی طرف دیکھا۔

"کیا تم مطمئن نہیں ہو رضی؟"

احمد رضا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے سمیرا کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں یا نہیں لیکن میں ایک اور زندگی کے متعلق ضرور سوچتا ہوں۔ ایک ایسی زندگی جو اس زندگی سے مختلف ہو، جو میں جی رہا ہوں۔"

آج پتا نہیں کیوں اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے احساسات کسی سے شیئر کرے اور سمیرا سے بہتر سامع اور کون ہو سکتا تھا۔

"کیسی زندگی رضی!"

"پتا نہیں کیسی زندگی ابھی میرے سامنے کوئی واضح خاکہ نہیں ہے لیکن میرے اندر خاکے بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ گڈمڈ ہوتے رہتے ہیں۔"

سمیرا نے حیران ہو کر اپنا کپ ٹیبل پر رکھا اور الجھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس زندگی میں کیا برائی ہے رضی۔"

وہ اس سے چار سال بڑا تھا لیکن دونوں میں اتنی دوستی تھی کہ وہ اسے اکثر اس کا نام لے کر ہی بلاتی تھی۔

"برائی۔؟"

اس کے لبوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا۔ یہ گھر ویسا ہی تھا جیسا ایک عام متوسط طبقے کا گھر ہوتا ہے۔

صاف ستھرا صحن، اور برآمدہ۔ گراؤنڈ فلور پر تین کمرے تھے۔ جس میں ایک کمرا جس کا دروازہ گلی کی طرف بھی کھلتا تھا ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ یہ گھر اس کے دادا کا بنایا ہوا تھا۔ ایک کمرا اماں ابا کا تھا اور ایک کمرا کافی عرصہ پہلے تک اس کا اور سمیرا کا مشترکہ تھا لیکن چند سال پہلے جب ابا نے اوپر کی منزل بنوائی تھی تو وہ اوپر منتقل ہو گیا تھا۔ اوپر جدید فیشن کے مطابق دو بیڈ روم مع اٹیچڈ باتھ تھے اور ایک ٹی وی لاؤنج تھا۔ اس کے ابا حسن رضا گریڈ سترہ کے افسر تھے اور وہ ٹھیک ٹھاک اچھی زندگی گزار رہے تھے۔ انہوں نے کبھی اپنے بچوں کو کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

سمیرا رضا اور احمد رضا دو ہی بچے تھے ان کے۔ انہوں نے اچھے اداروں میں انہیں تعلیم دلوائی تھی۔ وہ یو ای ٹی میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا جبکہ سمیرا نے ابھی ابھی کینوڈ میں ایڈمیشن لیا تھا۔ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔

بچپن سے ہی دونوں بہن بھائی پوزیشن ہولڈر رہے تھے۔ گھر میں اگر ماں باپ کی محبت ملی تھی تو اسکول کالج میں بھی وہ ہمیشہ نمایاں رہے تھے۔ ساتھی طلبا اور اساتذہ نے ہمیشہ انہیں سراہا اور محبت دی تھی۔ سمیرا کو اس زندگی سے بھی کوئی گلہ نہیں رہا تھا۔ بلکہ ایک طرح سے وہ اپنی زندگی کو شاندار کہہ سکتی تھی۔ پھر... پھر بھلا یہ رضی اس طرح کیوں کہہ رہا ہے۔

وہ ابھی بھی الجھی الجھی سی اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے خاموش دیکھ کر اس نے اپنی بات دوہرائی۔

"بتاؤ نا کیا برائی ہے۔"

"کچھ نہیں۔" اس نے چونک کر سر جھٹکا۔

"تم نہیں سمجھو گی سمو! جو میں سوچتا ہوں، تم نے بھلا زندگی کو دیکھا ہی کب ہے، جو تم جان سکو کہ اس زندگی میں کیا برائی ہے۔ تمہاری زندگی تو گھر اور کالج

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

تک محدود ہے اور بس۔"

"اچھا ٹھیک ہے لیکن تم مجھے بتاؤ تو سہی تم کیسی زندگی کے خواب دیکھتے ہو۔"

"میں نے کہا نا ابھی کچھ بھی واضح نہیں ہے میرے سامنے لیکن میں ایسی گمنام زندگی بھی نہیں جینا چاہتا۔ اللہ نے مجھے خصوصی ذہانت سے نوازا ہے۔ مجھے ایک شاندار پرسنالٹی عطا کی ہے۔ جانتی ہو وہاں یونیورسٹی میں لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے بھی مجھے دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے ٹھٹک جاتے ہیں۔"

سمیرا کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے دل میں خود بخود ہی اپنے بھائی کے لیے ایک فخر سا آگیا تھا۔

"تمہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے تمہیں یہ سب عطا کیا ہے۔ تم خوش نصیب ہو رضی! کہ لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں' چاہتے ہیں۔"

"لیکن سمو۔۔۔ میں چاہتا ہوں صرف چند لوگ میری تعریف نہ کریں' بلکہ ایک دنیا مجھے جانے اور پہچانے اور میرے بعد بھی لوگ صدیوں تک میرا نام لیتے رہیں۔"

"ہو سکتا ہے رضی!" سمیرا خالی برتن ٹرے میں رکھنے لگی۔ "تم ایک بڑے انجینئر بن جاؤ اور اپنے شعبے میں کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دو۔ کوئی اہم ایجاد کرلو' ایسی کہ تاریخ کے صفحوں میں تمہارا نام ہمیشہ کے لیے امر ہو جائے۔"

سمیرا کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں۔ جیسے اس کا خواب اس کی آنکھوں میں اتر آیا ہو۔ لیکن اسے ایجادات وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو چاہتا تھا کہ کوئی چھڑی گھمائے اور راتوں رات اس کا نام پوری دنیا میں پھیل جائے لیکن ایسا کیا ہو۔۔۔ کیسے ہو۔۔۔ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

وہ صرف اپنے ڈپارٹمنٹ کا ہی نہیں' پوری یونیورسٹی کا پاپولر اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ تیسرے سال میں تھا۔ لیکن اسے پوری یونیورسٹی کے طلبا طالبات جانتے اور پہچانتے تھے۔ پروفیسرز اسے سراہتے تھے۔ وہ پڑھائی کے علاوہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی آگے آگے ہوتا تھا۔ اللہ نے اسے بے حساب صلاحتوں سے نوازا تھا اور اب وہ ان صلاحیتوں کا استعمال کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کیسے۔۔۔ یہ اسے ابھی تک سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

اس نے کرسی دھکیلی اور کھڑا ہو گیا۔

"اوکے سمو! میں اب چلتا ہوں۔ تم کب سے کالج جا رہی ہو۔"

"ابھی تو اسٹوڈنٹ ویک ہی چل رہا ہے۔ پڑھائی تو ہوتی نہیں۔ جب پڑھائی شروع ہو گی تو جاؤں گی۔"

اس نے سر ہلا کر اسی ڈائننگ ٹیبل پر پڑی اپنی فائل اٹھائی اور اس کی طرف دیکھا۔

"یار! تم کیوں نہیں حصہ لیتیں ان ایکٹیویٹیز میں۔"

"مجھے نہیں پسند' خوامخواہ ٹائم ویسٹ ہوتا ہے۔" سمیرا نے ٹرے اٹھائی۔

"اگل ہو تم۔۔۔ کوئی ٹائم وائم ویسٹ نہیں ہوتا۔ بلکہ کانفیڈینس پیدا ہوتا ہے۔ خیر اگلی دفعہ تم ضرور پارٹی سپیٹ کرنا۔"

"اچھا بھائی! اب جاؤ دیر ہو رہی ہے۔" سمیرا نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ اور وہ صحن میں کھڑی اپنے بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"وہ سڑک کے کنارے چلتے چلتے بھاگنے لگی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور بالکل غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ وہ پتا نہیں کون تھی۔ میں نہیں جانتا تھا۔ وہ کیوں بھاگ رہی تھی۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا' پھر بھی پتا نہیں کیوں میں اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ شاید وہ کسی مشکل میں تھی۔ شاید کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔۔۔ بھاگتے بھاگتے میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا لیکن میرے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ تو کیا وہ مجھ سے خوف زدہ ہو کر بھاگ رہی تھی۔۔۔ لیکن میں تو اسے نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ میں تو صرف اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے اور اس سنسان دوپہر میں تن تنہا اکیلی اس ویران سڑک پر کہاں جا رہی ہے۔۔۔

میں لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ بھی بھاگتے بھاگتے شاید تھک گئی تھی۔ اس کی چٹیا کے بال بھاگنے سے کھل گئے تھے۔ وہ مجھے رکتے دیکھ کر خود بھی رک گئی اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ میں ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو دیکھا اس کے لانبے سیاہ بالوں نے پوری طرح اسے ڈھانپ رکھا تھا۔ پشت پر' کندھوں پر' بازوؤں پر اس کے بالوں کا آبشار گرا ہوا تھا۔ میرا جی چاہا میں ریشم کے ان گچھوں کو چھو کر ان کی نرماہٹ محسوس کروں لیکن میں یوں ہی کھڑا رہا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اسے کیا کہوں۔۔۔ کیا پوچھوں۔۔۔ پھر مجھے اس کی سسکیوں کی آواز سنائی دینے لگی۔۔۔ وہ رو رہی تھی اور اس کی سسکیاں مجھے بے چین کر رہی تھیں۔

"تم کون ہو پیاری لڑکی! اور کیوں رو رہی ہو۔" میں نے بے حد نرمی سے پوچھا تو اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کے رخسار اور پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ سیاہ آنکھوں میں بلا کا حزن تھا۔

"حور عین!"

بے اختیار میرے لبوں سے نکلا تھا۔ "تم کیوں بھاگ رہی تھیں اور کس سے۔"

"پتا نہیں۔۔۔ شاید اپنے آپ سے' لیکن بھلا کوئی اپنے آپ سے بھی کہاں تک بھاگ سکتا ہے۔"

اس طرح روتے ہوئے مجھے وہ لطیفہ حدانیہ لگی۔۔۔ جسے اپنے محبوب کی قبر پر بال بکھرائے روتے دیکھ کر ہارون الرشید اپنا دل ہار بیٹھا تھا لیکن وہ لطیفہ حدانیہ نہیں تھی اور نہ ہی میں ہارون الرشید تھا۔"

عمر احسان کلپ بورڈ پر لگے کاغذوں کو پڑھنے میں اتنا منہمک تھا کہ اسے خبر بھی نہیں ہوئی کہ کب ایک فلک شاہ واش روم سے بال پونچھتے ہوئے باہر آگیا ہے۔ ایک نے بال پونچھ کر تولیہ صوفے پر پھینکا تو عمر احسان نے چونک کر کلپ بورڈ واپس رائٹنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور وہ بہت عقیدت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"تم بور تو نہیں ہوئے عمر!"

"نہیں بالکل نہیں۔۔۔ بلکہ میں آپ کی کہانی پڑھ رہا تھا۔ ابھی یہ مکمل تو نہیں ہے۔"

"ہاں یار!" اب وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے بال سنوار رہا تھا۔

"دراصل میں نے تمہارے دیے ہوئے عنوان پر رات لکھنے کی کوشش کی تھی' لیکن بات نہیں بنی۔"

"میرے؟" عمر احسان کو از حد حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں۔۔۔" ایک کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"یاد ہے کل شام تم نے کیا کہا تھا۔"

عمر احسان کو یاد آیا۔ "وہ جو آپ نے اپنا خواب سنایا تھا تو میں سمجھا کوئی نئی کہانی ہے۔"

اور تمہاری بات سے ایک نئی کہانی کا عنوان تشکیل پا گیا تھا۔ زمین کے آنسو۔۔۔ اور میں نے سوچا میں اس پر ایک کہانی لکھوں گا۔ سو رات لکھنے کی کوشش کی لیکن پتا ہے پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ میرا قلم رک گیا۔ ورنہ جب میں قلم اٹھا لیتا ہوں تو پھر خود بخود ہی کہانی بنتی چلی جاتی ہے۔"

عمر احسان بہت اشتیاق سے اس کی بات سن رہا تھا۔ "پہلے تو آپ کے ذہن میں ایک پورا پلاٹ بنتا ہو گا نا' لیکن اس طرح عنوان پر لکھنا مشکل ہوتا ہو گا۔"

"تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں' جب میں چھوٹا تھا نا تقریباً" دس سال کا تو' میں نے عنوان پر ہی لکھنا اسٹارٹ کیا تھا۔ ہمارے ٹیچر ہمیں ایک عنوان دیتے تھے اور ہمیں اس پر کچھ لکھنا ہوتا۔ مثلاً" ظالم' عدل' موت وغیرہ۔ سب بچے چند جملے لکھتے اور میں ایک پوری کہانی تخلیق کر دیتا۔"

عمر احسان جو ہمیشہ ہی اس سے مرعوب رہتا تھا۔ کچھ اور مرعوب ہو گیا تھا کہ اس نے کتنی کم عمری میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ تب ہی آج وہ اتنے بلند مقام پر

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

تھا۔

"کیا خیال ہے اب، چلیں؟"

"کہاں۔۔۔" عمر احسان نے بے خیالی میں پوچھا۔

"کیا تم نے ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آتے ہی یہ نہیں کہا تھا کہ بابا جان کو بہت افسوس ہے کہ کل میں "الریان" آیا اور ان سے ملے بنا ہی چلا گیا اور یہ کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ ہاں۔۔۔" عمر احسان کو یاد آیا کہ اس نے کچھ ایسی ہی بات کہی تھی کہ رات ڈنر کرتے ہوئے جب منیبہ شاہ نے اس کی آمد کا بتایا تھا تو بابا جان نے اس کے ملے بغیر چلے جانے پر اچھے خاصے افسوس کا اظہار کیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ افسوس کرنے کے بعد جو کچھ انہوں نے کہا، وہ ہرگز ایسا نہیں تھا کہ ایبک فلک شاہ کو بتایا جاتا۔ منیبہ سے بات کرتے کرتے وہ احسان کی طرف مڑے تھے اور بہت آہستگی سے کہا تھا۔

"اپنے باپ کی طرح ہی ظالم اور کٹھور ہے۔"

احسان نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے لیکن صرف "بابا جان!" کہہ کر پلیٹ پر جھک گئے تھے اور عمر احسان جس کا ایبک فلک شاہ سے بات کر کے جی نہیں بھرا تھا اور جسے منیبہ شاہ کی طرح اس بات کا ازحد دکھ تھا کہ رابیل احسان کے برتھ ڈے ڈنر میں شریک نہیں ہو سکا۔ سو کل رات کی تلافی کی خاطر آج وہ اپنے کالج سے دو پیریڈ لے کر ہی نکل آیا تھا اور پورے راستے دعا مانگتا آیا تھا کہ ایبک فلک شاہ کہیں چلا نہ گیا ہو اور واقعی ایبک، کرنل شیر دل کی انیکسی میں اپنے بیڈ پر نیم دراز کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ اس کے تکیے کے پاس کتابوں اور اخباروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر ایبک نے کتاب تکیے کے پاس اوندھی کر کے رکھ دی۔ اس کے لبوں پر بڑی پرخلوص سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے عمر احسان نے ایک بار پھر دعا کی تھی کہ ایبک اس کی بات نہ ٹالے اور اس کے ساتھ الریان چلا آئے اور شاید یہ کوئی قبولیت کا دن تھا کہ ایبک بنا کچھ کہے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس نے کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ کمرے میں حدت تھی۔ شاید کچھ دیر پہلے ہی ہیٹر بند کیا گیا تھا۔ وہ اس انیکسی میں پہلے بھی تین، چار بار آ چکا تھا۔ کرنل شیر دل نے یہ کمرا بہت پہلے سے ہی ایبک کے لیے مختص کر دیا تھا اور جب وہ بہاول پور ہوتا تھا تو تب یہ کمرا بند رہتا تھا۔ بیگم شیر دل اس کی غیر موجودگی میں اس کی صفائی وغیرہ کروا دیتی تھیں۔ عموماً یہ انیکسی گیسٹ روم کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ کرنل شیر کے فرینڈز یہاں آ کر ٹھہرتے تھے۔ لیکن جب چند سال پہلے ایبک فلک شاہ یونیورسٹی میں تھا اور ہاسٹل میں رہتا تھا تو ایک شام فلک مراد شاہ نے انہیں فون کیا تھا۔ ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ جیسے ڈھیروں آنسوؤں نے ان کے حلق کو بھر دیا ہو۔

"شیری! میرا ایبک یونیورسٹی ہاسٹل کے کمرے میں زخمی پڑا ہے اور میں دور ہوں۔۔۔"

نہ فلک مراد شاہ نے مزید کچھ کہا تھا اور نہ ہی کرنل شیر دل نے مزید کچھ پوچھا تھا۔ وہ اسی وقت ایبک کو لے آئے تھے اور پھر جب ایبک کے زخم بھر گئے اور وہ یونیورسٹی جانے لگا، تب بھی انہوں نے ایبک کو ہاسٹل میں واپس جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ تب سے اب تک یہ انیکسی ایبک کے لیے مختص ہو گئی تھی۔ وہ وقت بے وقت جب بھی آئے اسے وہیں ٹھہرنا ہے۔ یہ کرنل شیر دل کا حکم تھا اور یہ بات سب ملازم بھی جانتے تھے۔ مگر پتا نہیں وہ اتنا بھٹکتا کیوں تھا۔

اس نے اپنے سر پر ہاتھ مارا اور کھڑا ہو گیا۔ پتا نہیں وہ سچ مچ بھٹکتا تھا یا ایبک فلک شاہ کے سامنے بہت سی باتیں بھول جاتا تھا۔ کئی کئی دن وہ سوچتا رہتا تھا کہ اب کے ایبک آیا تو وہ اس سے یہ یہ باتیں کرے گا، لیکن جب بھی ایبک آتا وہ اس کی شخصیت کے سحر میں ایسا گرفتار ہوتا کہ سب کچھ بھول جاتا تھا۔

"یہ لطیفہ حدانیہ کون ہے۔" بائیک کو کک مارتے ہوئے اس نے ایبک فلک شاہ سے پوچھا۔

"احمیصی ایک مشہور شاعر تھا۔ لطیفہ حدانیہ اس کی محبوبہ تھی۔" اس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے ایبک فلک

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

پاکستان ویب کی پیش کش

خواتین ڈائجسٹ کا یہ شمارہ آپ کے لئے پاکستان ویب (Pakistan.web.pk) نے پیش کیا ہے۔

آیئے، آپ بھی پاکستان ویب کا ساتھ دیں:

پاکستان ویب پر رجسٹر ہو کر، اس کے ممبر بن کر، اس کا قابل فخر حصہ بنئے!

اپنے دوست احباب کو پاکستان ویب کے بارے میں بتائیں اور انہیں بھی ممبر بننے کی دعوت دیجئے!

پاکستان ویب کا لائبریری سٹاف گروپ جوائن کر کے اردو ادب کے فروغ کی کوششوں میں حصہ ڈالئے!

پاکستان ویب جوائن کر کے دنیا میں پاکستان کا نام اور اس کا اسلامی و قومی تشخص بہتر بنایئے!

پاکستان ویب کے اخراجات ادا کرنے میں انتظامیہ کے ساتھ تھوڑا بہت مالی تعاون بھی کیجئے تاکہ پاکستان کی یہ منفرد ویب سائٹ اپنی بہترین خدمات پاکستان اور آپ جیسے محب وطن پاکستانیوں کیلئے جاری رکھ سکے!

جزاک اللہ خیر!

www.Pakistan.web.pk

محب وطن پاکستانیوں کی معیاری فیملی تفریحی سوشل ویب سائٹ!

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

شاہ نے بتایا اور عمر احسان نے سوچا۔ وہ جو کوئی بھی تھا جیسا بھی تھا لیکن لطیفہ حدانیہ یقیناً" بہت خوب صورت رہی ہوگی۔

"ایک بھائی! آپ نے جب بھی یہ کہانی مکمل کی، سب سے پہلے مجھے پڑھنے کے لیے دیجیے گا۔" پائپ روڈ پر لاتے ہوئے اس نے ایک فلک شاہ سے یقین دہانی چاہی اور وہ کبھی بھی عمر احسان کی بات نہیں ٹالتا تھا۔ اسے اپنا یہ کزن جو عمر میں اس سے کافی چھوٹا تھا اور اے لیول کر رہا تھا، بے حد عزیز تھا۔ اس کی سب اوٹ پٹانگ باتیں وہ بہت دھیان سے سنتا تھا مگر پتا نہیں کیا بات تھی کہ اسی عمر احسان کی بڑی بہن رابیل احسان کو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ پہلے روز ہی جب وہ ہمدان مصطفیٰ کے ساتھ "الریان" آیا تھا اور ہمدان مصطفیٰ نے اس کا تعارف کروایا تھا۔

"یہ ہیں ایک فلک شاہ، عمارہ پھپھو کے بیٹے۔"

اور رابیل احسان جو ٹی وی لاؤنج میں اسی وقت داخل ہوئی تھی، کسی قدر نخوت سے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر ہمدان مصطفیٰ سے اسی نخوت بھرے انداز میں کہا تھا۔

"یہ اتنے سالوں بعد آج تمہیں عمارہ پھپھو کے بیٹے کو "الریان" میں لانے کا خیال کیونکر آگیا، جبکہ آج سے پہلے تو کبھی کسی نے "الریان" میں ایک فلک شاہ کا ذکر کیا نہ ہی عمارہ پھپھو کا۔" منیبہ شاہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور اس نے رابیل احسان کو غصے سے دیکھا تھا۔

"یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ہر شخص تمہیں سنا سنا کر عمارہ پھپھو اور ایک فلک شاہ کا ذکر کرے اور عمارہ پھپھو کا نام تو "الریان" کی اینٹ اینٹ پر لکھا ہے اور اس گھر کے در و دیوار نے اتنی بار عمارہ پھپھو، فلک مراد شاہ، ایک فلک شاہ اور انجم فلک شاہ کا ذکر سنا ہے کہ تم انہیں انگلیوں پر گن بھی نہیں سکتیں۔"

ایک فلک شاہ جو رابیل احسان کی بات پر خاصا بددل ہو کر سوچ رہا تھا کہ اسے "الریان" نہیں آنا چاہیے تھا، مسکرا کر اپنی اس مخلص سی کزن کی طرف متوجہ ہو گیا، جو بہت نرمی اور محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ منیبہ شاہ اس کے سب سے بڑے ماموں مصطفیٰ عبدالرحمٰن شاہ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی اور اس نے پہلے ہی روز اس کے دفاع میں بول کر گویا ہمیشہ کے لیے اس کے دفاع کی ذمہ داری سنبھال لی تھی اور ہر لمحہ اس کی وکالت پر کمربستہ رہتی تھی۔

کرنل شیردل کی انتیکسی سے لے کر "الریان" تک کے سفر میں عمر احسان نے کل شام کی ساری روداد اس کے کانوں میں انڈیل دی تھی اور "الریان" کے اندر داخل ہوتے ہوئے ایک فلک شاہ کے لبوں پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی۔ اس نے دعا کی تھی کہ کم از کم آج کے دن اس کا رابیل احسان سے ہرگز سامنا نہ ہو، کیونکہ آج وہ بہت دیر بابا جان کے پاس بیٹھنا چاہتا تھا اور اسے آج ان سے بہت کچھ کہنا بھی تھا۔ بہت ساری باتیں تھیں، جو پچھلے کئی ماہ سے ان سے کہنا چاہتا تھا لیکن ہر بار کہتے کہتے رہ جاتا تھا۔ کل شام بھی رابیل احسان کی واضح ناگواری محسوس کر کے وہ جلدی چلا آیا تھا۔۔۔ ورنہ اس کا ارادہ رات الریان میں ہی ٹھہرنے کا تھا۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اسے احساس ہوا تھا کہ کبھی کبھی دعائیں پوری نہیں ہوا کرتیں۔ رابیل احسان اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ لاؤنج میں چائے کا بڑا سا مگ لیے کھڑی تھی۔

"ارے آپی! آج آپ یونیورسٹی نہیں گئیں۔" عمر احسان کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔ وہ اپنی سرخ ہوتی ناک کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے عمر احسان کی بات کا جواب دیے بغیر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ عمر احسان خجالت سے سر کھجانے لگا۔

"ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا۔" ایک مدھم مسکراہٹ کے ساتھ ایک نے ہولے سے اس کا کندھا دبایا تھا اور پھر یوں ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے رکھے وہ بابا جان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز اخبار دیکھ رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی یک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے ان کی آنکھوں اور ان کے چہرے سے خوشی جھلکنے لگی تھی۔ ہونٹ بے اختیار کھل گئے تھے۔ عمر نے دیکھا تھا کہ رات والے غصے اور ناراضی کے ان کے چہرے پر کوئی بھی آثار نہ تھے۔"

"آؤ۔۔۔ آؤ بیٹا! بیٹھو میرے پاس ادھر۔"

انہوں نے ٹانگیں سمیٹ کر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ ایک نے بیٹھنے سے پہلے جھک کر ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت عقیدت سے بوسہ دیا تھا اور عبدالرحمٰن شاہ کی آنکھیں یک دم گیلی ہو گئیں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔

"کل تم آئے اور چلے بھی گئے۔ تم کم از کم ڈنر تک تو رک جاتے۔ رابی کے برتھ ڈے پر سب کو باہر جانا تھا۔" اس کے بیٹھتے ہی انہوں نے گلہ کیا تھا۔ اس نے بے اختیار سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر معذرت کر دی۔

"میں ضرور رک جاتا کم از کم آپ سے تو مل کر ہی جاتا، لیکن مجھے ضروری کام سے جانا تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں آپ سے ملے بغیر ہاولی پور چلا جاتا۔ اگلے دو دن میں بہت مصروف ہوں اور پھر ہرسوں واپس جانا تھا تو اس لیے آج آگیا۔ حالانکہ اس وقت ماموں جان وغیرہ سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔"

"لیکن بیٹا! رابی کی برتھ ڈے پارٹی میں شرکت کر لیتے۔ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی۔"

"لیکن بابا جان! کوئی بن بلائے کیسے کسی فنکشن میں شرکت کر سکتا ہے۔" عمر احسان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں سے یک دم غصہ اور ناراضی جھلکنے لگی تھی۔

"کل شام ایک بھائی کو کسی نے بھی ڈنر میں شرکت کے لیے نہیں کہا۔۔۔ ہاں انفارم ضرور کیا تو؟" اس نے سوالیہ نظروں سے بابا جان کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی اور اندر کہیں کسی گہرے دکھ نے دل کو اپنی گرفت میں لیا۔

"کیا "الریان" کے مکینوں کے لیے ایک فلک شاہ ہمیشہ اجنبی اور غیر رہے گا۔ کیا الریان پر میری عمارہ کا کوئی حق نہیں رہا۔ کیا چھبیس سال پہلے کی کوئی غلطی کا خمیازہ ہمیں ساری عمر بھگتنا ہوگا۔ کاش! ہم عمارہ کو یہاں لا سکنے پر قادر ہوتے۔۔۔ کاش!

شاید یہ سارا ہمارا ہی قصور ہے۔ ساری غلطی ہماری ہے کہ آج ہماری عمو کا بیٹا اس گھر میں اجنبیوں کی طرح آکر چلا جاتا ہے اور اس گھر کے کسی فنکشن یا کسی خوشی میں کبھی کسی نے اسے شرکت کے لیے نہیں کہا۔ کاش! اس رات ہم نے ہی صبر کر لیا ہوتا۔ ہمیں اتنا غصہ نہ آتا۔ ہم اس طرح اسے گھر سے نکل جانے کو نہ کہتے۔ روز محشر ہم مراد شاہ کو کیا منہ دکھائیں گے اور اگر سلجوق نے ہم سے پوچھ لیا۔ "عبدالرحمٰن! تم تو میرے بھائیوں جیسے دوست تھے۔ پھر تم نے میرے بیٹے کو یوں خود سے الگ کر کے کیوں پھینک دیا اور وہ صرف میرا بیٹا ہی نہیں، تمہاری عمارہ تمہاری پیاری عمو کا شوہر بھی تو تھا۔۔۔" پھر ہم کیا جواب دیں گے ہم سے غلطی ہوئی تھی تو وہ ہی اتنے غصے میں نہ آتا۔"

ان کا جی چاہا وہ دھاڑیں مار مار کر روئیں۔

ہر بار کی طرح اس بار بھی ان کا جی چاہا کہ وہ اپنی ساری انا اور مصلحتیں ایک طرف رکھ کر اڑتے ہوئے مراد پیلس جا پہنچیں اور اپنی عمو کو سینے سے لگا کر اتنا روئیں کہ چھبیس سالوں کی جدائیاں ان آنسوؤں میں بہہ جائیں۔ لیکن بیچ میں چھبیس سالوں کا فاصلہ تھا اور یہ فاصلہ پاٹنے کے لیے جس حوصلے کی ضرورت تھی، وہ خود میں یہ حوصلہ نہیں پا رہے تھے۔

کاش انہوں نے یہ رابطے ختم نہ کیے ہوتے۔ آخر رابطے توڑنے میں کون سی مصلحتیں تھیں۔ فلک مراد شاہ اور عمارہ شاہ بھلے "الریان" نہ آتے لیکن رابطے اس طرح تو نہ ٹوٹتے کہ آج ایک فلک شاہ ان کا اکلوتا نواسا "الریان" کے لیے اجنبی ہوتا۔ ایسا کیا تھا جس نے انہیں مراد پیلس سے ہر رابطہ توڑ کر دور کر دیا تھا۔

انہوں نے تنہائی میں کتنی ہی بار سوچا تھا اور ہر بار کئی حقیقتوں کا انکشاف ہوا تھا۔ لیکن انہوں نے ہر بار ہی اپنا وہم سمجھ کر انہیں جھٹک دیا تھا اور خود ہی کو

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk
Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

قصوروار گردانا تھا۔

ایک نے ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو بغور دیکھا تھا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے سے دبایا تھا۔

"کل ہومی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی تمہاری؟" انہوں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ارے بابا جان! ہومی بھائی بھی تو وہیں تھے۔ ہومی بھائی اور منیبہ آپا کو ہمیشہ کی طرح ان کے جانے کے بعد یاد آیا تھا کہ انہیں ایک بھائی کو ڈنر پر انوائٹ کرنا چاہیے تھا۔" غصہ اب بھی عمر احسان کی آنکھوں میں بل کھا رہا تھا۔

"اب غصہ تھوک بھی دو یار!" ایک مسکرایا۔ "تم اپنے برتھ ڈے پر مجھے انوائٹ کرنا' میں ضرور آؤں گا۔" عمر مسکرا دیا تھا۔

ایک' عبدالرحمٰن صاحب کی طرف متوجہ ہو گیا جو بہت محبت اور شفقت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"بابا جان اور ماما جانی بالکل ٹھیک ہیں۔" اس نے ان کی آنکھوں میں ابھرتے اس سوال کو پڑھتے ہوئے کہا تھا۔ جسے وہ ہزار کوششوں کے باوجود بھی زبان سے ادا نہ کر پا رہے تھے۔

"اجی بھی مزے میں ہے' خوش ہے۔"

"اجی... ان کی عمو کی بیٹی' جسے انہوں نے دیکھا تک نہ تھا اور کیا اس کا حق نہیں بنتا تھا کہ اس گھر کے اتنے لڑکوں میں سے کوئی ایک لڑکا..."

انہوں نے دل میں اٹھنے والے درد کو بے اختیار ہونٹ بھینچ کر برداشت کرنے کی کوشش کی۔

"کبھی اجی آپا کو بھی لے کر آیئے نا یہاں؟" عمر احسان نے جیسے ان کے دل کی بات کہہ دی تھی۔

"ہاں ضرور... جواد سے کہوں گا' بھئی اب اجی پر ہمارا اختیار کہاں؟" وہ مسکرایا تھا اور ان کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"اجی کے سسرال والے کیسے ہیں ایک! اور جواد خود؟" آج پہلی بار انہوں نے خود سے کوئی سوال کیا تھا۔

"سب بہت اچھے ہیں بابا جان!" اور تب ہی دروازہ کھول کر شامی اندر داخل ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم ماہی!" وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔

"ارے ایک تم..." شامی کو سچی خوشی ہوئی تھی اسے دیکھ کر۔

"بیٹھو... بیٹھو بیٹا! کیسے ہو؟"

"جی ممانی جان! اللہ کا شکر ہے ٹھیک ٹھاک ہوں۔"

"اور عمو کیسی ہے اور فلک بھائی؟" وہ جب بھی آتا شامی سب کے متعلق بہت محبت سے پوچھتی تھیں۔

"بہت یاد آتی ہے عمو۔ بہت جی چاہتا ہے اس سے ملنے کو۔"

انہوں نے کبھی اپنے جذبے چھپائے نہیں۔ ہمیشہ بریلا ان کا اعتراف کرتی تھیں۔ انہوں نے ہی ہمدان مصطفیٰ کو بہاول پور بھیجا تھا اور بتایا تھا کہ بہاول پور میں تمہاری ایک بہت پیاری پھپھو رہتی ہیں۔

شامی مصطفیٰ ماموں کی بیوی تھیں۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ عرفان اور ان سے چھوٹی رانیہ کی شادیاں مرتضیٰ کے گھر ہوئی تھیں اور وہ دونوں ہی فرانس میں رہتے تھے۔ خود مرتضیٰ اپنی فیملی کے ساتھ بہت سال پہلے فرانس چلے گئے تھے۔ سال دو سال بعد ان کا چکر لگتا تھا۔ مرتضیٰ کے چار بچے تھے۔ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں' شادی شدہ تھیں۔ جبکہ منیبہ شاہ سب سے چھوٹی تھی اور کئی سال پہلے وادی جان نے اسے الریان میں ہی رکھ لیا تھا۔ رانیہ سے چھوٹا ہمدان مصطفیٰ اور پھر حفصہ تھی۔

"کل مجھے پتا ہی نہیں چلا اور تم آکر چلے بھی گئے۔ اب تو رکو گے نا... کھانا کھا کر جانا۔" باتیں کرتے کرتے وہ عمر کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔

"جی ابھی کچھ دیر بابا جان سے گپ شپ لگاؤں گا۔ کھانے کی خیر ہے۔"

"ہومی بتا رہا تھا کہ آج کل کرنل شیر دل اپنے گاؤں گئے ہوئے ہیں' تمہیں کھانے وغیرہ کی تکلیف ہوتی ہوگی۔"

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

"یہ ہومی بھی بس..." ایک فلک شاہ نے دل ہی دل میں کہا۔

"آخر تم اتنی غیریت کیوں برتتے ہو بیٹا! تمہیں سیدھا ادھر ہی آنا چاہیے تھا اور اب جتنے دن ہو ادھر ہی رکو۔" پھر اس کا جواب سنے بغیر وہ بابا جان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ایک فلک شاہ کے پاس کوئی جواب تھا بھی نہیں۔

"بابا جان! آج آپ کے لیے کیا پکواؤں۔"

"جو جی چاہے بیٹا! بنوا لو۔"

"کتنے دن ہو گئے ہیں آپ کو سبزیاں کھاتے ہوئے۔ اب تک تو یورک ایسڈ صحیح ہو گیا ہوگا۔ سبزی کے ساتھ تھوڑی سی یخنی نہ بنوا لوں؟" وہ کھڑی ہو گئی تھیں اور پھر جیسے انہیں یاد آیا۔

"رات عثمان بھائی کا فون آیا تھا۔ شاید وہ اگلے مہینے تک چکر لگائیں۔ میرا خیال ہے وہ عادل اور حفصہ کی منگنی یا نکاح کرنا چاہ رہے ہیں۔ کہہ رہے تھے آکر بابا جان سے بات کروں گا۔"

"ہاں بات ہوئی تھی میری اس سے۔" بابا جان نے آہستگی سے کہا۔ "اس نے عادل کے لیے وہاں جاب کا انتظام کرلیا ہے تو چاہ رہا تھا کہ یہ کام بھی ہو جائے۔"

عادل عثمان اور مرینہ عثمان' عثمان عبدالرحمٰن کے دو ہی بچے تھے۔ خود عثمان تو دبئی میں بینک آف انگلینڈ میں جاب کرتے تھے اور دونوں بچے تعلیم کی غرض سے "الریان" میں تھے' جبکہ وہ خود ہر سال دو ماہ کی چھٹی پر گھر آتے تھے۔ جبکہ گرمیوں کی چھٹیوں میں عادل اور مرینہ وزٹ ویزے پر دبئی چلے جاتے تھے۔ عادل نے اکنامکس میں ماسٹر کیا تھا اور چھ ماہ سے یہاں ایک پرائیویٹ بینک میں جاب کر رہا تھا۔ مرینہ میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی۔

"رابی نے ناشتا کیا؟" بابا جان نے شامی سے پوچھا تو ایک نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اس نے صرف چائے لی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اٹھی ہے۔ بھابھی بتا رہی تھیں' اسے کچھ فلو کی شکایت ہے۔"

انہیں اپنی یہ پوتی بہت پیاری تھی۔ جب بھی وہ اسے دیکھتے تو انہیں ایک کا خیال آتا تھا۔ اس وقت بھی جب ایک الریان نہیں آتا تھا' وہ اس کے متعلق سوچتے ضرور تھے۔

"بابا جان! مما بتاتی ہیں کہ میرے دادا جان آپ کے بہت گہرے دوست تھے۔" شامی کے ساتھ ہی عمر احسان بھی چلا گیا تھا۔

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ جب سے وہ الریان آرہا تھا کہ آج پہلی بار اسے یوں بابا جان کے پاس اکیلے بیٹھنے کا موقع ملا تھا اور آج وہ ان سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ بہت کچھ جاننا چاہتا تھا۔ اس کے پاس بہت سارے سوال تھے جنہیں وہ بابا اور ماما سے نہیں کر سکتا تھا یا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"سلجوق میرا دوست تھا۔ میرا بھائی تھا۔ بہت ہی پیارا' بہت ہی عزیز تھا مجھے۔ اس سے رشتہ داری تو بہت دور کی تھی لیکن دلی تعلق بہت قریبی تھا۔ بہت خوب صورت تھا وہ۔ کبھی کبھی میں سوچتا تھا کہ کیا کوئی مرد بھی اتنا خوب صورت ہو سکتا ہے' اتنا حسین' اس پر اس کے مزاج میں بلا کا تحمل تھا۔ عجب دل موہ لینے والی عاجزی تھی۔ جو بھی اس سے ملتا تھا' اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ فلک تو اس کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔"

بابا جان کا بھی بڑے دنوں بعد جی چاہا تھا کہ وہ کسی کو اپنا سینہ کھول کر دکھائیں۔ وہاں کیسی خوب صورت اور المناک یادیں رقم تھیں اور ایک فلک شاہ سے بہتر سامع اور کون ہو سکتا تھا۔ کتنے سارے سال ہو گئے تھے انہوں نے کسی سے سلجوق' عمارہ اور مومی کی باتیں نہیں کی تھیں۔

آج ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یادوں کا پٹارہ کھول کر ایک ایک یاد ایک فلک شاہ کے سامنے رکھتے جائیں اور پھر اس سے پوچھیں کہ بتاؤ کیا سب ہمارا قصور تھا؟

اگر تھا تو ہم کہاں اور کتنے قصوروار ہیں؟

کیا یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم نے اپنی لاڈلی بیٹی عمو کا ہاتھ فلک شاہ کے ہاتھوں میں دیا تھا محض ایک پرانے عہد کو نبھاتے ہوئے؟

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

یا پھر یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم مومی کو اپنا سمجھ بیٹھے تھے۔ اس لیے ہم نے اسے ان غلط سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روکا تھا' سمجھایا تھا؟

اور اگر یہ ہماری غلطی نہیں تھی تو پھر عمو کی ماں سے ہم ساری زندگی کیوں نظر ملا کر بات نہیں کر سکے۔ کیوں ہمیں لگتا رہا کہ ہم ان کے مجرم ہیں؟

ان کی آنکھوں میں یک دم ہی نمی اتری تھی اور ایک فلک شاہ نے جو بہت گہری نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا' ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اس کے فون کی بیل بج اٹھی۔۔۔ اس نے فون نکال کر دیکھا۔ فلک شاہ کا نمبر تھا۔ لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ لیے اس نے بابا جان کی طرف دیکھا۔

"ہماول پور سے فون ہے۔ شاید ماما کا۔" اس نے جان بوجھ کر ان کا نام لیا تھا۔

عبدالرحمن شاہ کے چہرے پر سایہ سا آکر گزر گیا۔

"جی بابا! کیسے ہیں آپ؟" اس نے فون کان سے لگایا۔ لیکن پھر یکایک ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ ایک دم گھبرا کر کھڑا ہوا۔ دوسری طرف فلک شاہ رو رہے تھے۔

"ایک! جلدی آجاؤ' تمہاری ماما اسپتال میں ہیں۔"

"کیا۔۔۔ کیا ہوا ماما کو۔۔۔ وہ اسپتال میں کیوں ہیں۔"

اس نے قدرے بلند آواز میں پوچھا تو عبدالرحمن شاہ کا دل یک دم جیسے ڈوب کر ابھرا۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے لیکن وہ انہیں نہیں دیکھ رہا تھا۔

"بابا! بابا! پلیز بولیں نا۔" دوسری طرف سے بمشکل تمام فلک شاہ نے کہا تھا۔

"بس تم آجاؤ۔۔۔ جانتے ہو نا' میں بہت کمزور ہوں۔"

"لیکن ماما۔۔۔"

مگر فلک شاہ نے فون بند کر دیا تھا۔ وہ فون جیب میں ڈالتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس نے مڑ کر عبدالرحمن شاہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ جن کے اٹھے ہوئے ہاتھوں پر ان کے آنسو گر رہے تھے۔ زارا کے بعد اب عمار۔۔۔ نہیں میرے اللہ!

"یا اللہ! میری بچی کو صحت و زندگی دینا۔"

ایک فلک شاہ ادھر ادھر دیکھے بغیر تیزی سے لاؤنج کا دروازہ کھول کر پورچ کی سیڑھیاں پھلانگتا گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عمر احسان نے اسے ماما کے بیڈ روم کے کھلے دروازے سے باہر جاتے دیکھا تو تیزی سے اس کے پیچھے لپکا اور جب وہ گیٹ تک پہنچا تو وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہا تھا۔

وہ سر جھکائے واپس پلٹا۔ آج کتنا اچھا موقع تھا کہ وہ جی بھر کر ایک فلک شاہ سے باتیں کرتا لیکن مما نے بلاوجہ ہی اسے روک لیا تھا۔ پتا نہیں مائرہ احسان کو اس کا ایک شاہ کے ساتھ ملنا اتنا ناپسند کیوں تھا۔

"شاچچی تو کہہ رہی تھیں کہ ایک بچ ہمارے ساتھ ہی کرے گا۔ پھر ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ اس سے ملے بغیر ہی نکل گیا تھا۔" یہی سوچتا ہوا عمر جب بابا جان کے کمرے میں آیا تو وہ اپنی آنکھیں پونچھ رہے تھے۔

"کیا ہوا بابا جان! اور یہ ایک بھائی اس طرح اچانک کیوں چلے گئے؟"

انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو آنسو ایک بار پھر ان کی آنکھوں سے چھلک پڑے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"عمر! تم مجھے لے چلو گے۔۔۔ پلیز مجھے لے چلو۔"

انہوں نے عمر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کہاں۔۔۔ کہاں بابا جان! میں آپ کو لے چلتا ہوں بابا جان! پلیز ریلیکس۔"

"میری بچی۔۔۔!"

لفظ ان کے ہونٹوں میں ہی رہ گئے اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوئے۔ اٹھارہ سالہ عمر نے انہیں سہارا دینے کی کوشش کی لیکن وہ گرتے ہی چلے گئے۔ عمر نے بمشکل انہیں سنبھالا۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ عمر کو ان کا جسم بے جان ہوتا لگا تو وہ بری طرح چیخنے لگا۔

"مما۔۔۔ مما۔۔۔ چچی جان۔۔۔ رابی آپی۔۔۔!"

☼ ☼ ☼

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

وہیل چیئر کے ہتھے پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے انہوں نے ایک فلک شاہ کی طرف بے چینی سے دیکھا جو اپنی آستین کے کف لگاتے ہوئے اندر آیا تھا۔

"بابا! میں اب چلتا ہوں۔"

"یار! مجھے بھی لے چلو عمارہ کے پاس' وہ ٹھیک ہے نا۔"

وہ ان کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے تھوڑا سا جھکا۔

"ماما بالکل ٹھیک ہیں بابا! ابھی ابھی جواد کا فون آیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ ہم انہیں لے جا سکتے ہیں۔"

ان کے پژمردہ چہرے پر ہلکی سی رونق آگئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پھر پریشان نظر آنے لگے۔

"لیکن پھر جواد اسے لے کر کیوں نہیں آیا۔ تم کیوں جا رہے ہو۔۔۔ انجی اور جواد وہاں تھے نا تمہاری ماما کے پاس۔ ڈاکٹر نے جب اجازت دے دی تھی تو پھر وہ وہاں کیوں رکے ہوئے ہیں۔"

"اوہ بابا! آپ بہت وہمی ہو گئے ہیں۔" ان کے کندھے سے ہاتھ اٹھا کر سیدھا ہوتے ہوئے ایک مسکرایا۔ "دراصل ماما کے جو ڈاکٹر ہیں نا انہوں نے کہا ہے ڈاکٹر مہدی آجائیں تو ایک بار ان سے بھی چیک کروالیں اور کچھ انسٹرکشن وغیرہ لے لیں۔"

"ڈاکٹر مہدی وہی نا جو ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں۔" انہوں نے ایک فلک شاہ کی طرف دیکھا۔

"جی بالکل وہی۔ جواد کہہ رہا تھا۔" گیارہ بارہ بجے تک آجائیں گے۔ ویسے بابا! ماما کو پہلے تو کبھی ہارٹ کی تکلیف نہیں ہوئی۔"

"گوشت کا ایک ننھا سا لوتھڑا ہی تو ہے نا۔ کتنا جبر برداشت کر سکتا ہے۔"

انہوں نے ایک گہری سانس لی اور کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا' لیکن پھر محض سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔ ایک نے ٹیبل پر سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بغور انہیں دیکھا۔ وہ جانتا تھا وہ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ تین دن سے ان کی نظروں میں کیا سوال چھپا ہوا ہے۔ لیکن وہ کیا کہتا' اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی تو نہیں تھا۔ خود اس نے بھی کئی بار سوچا تھا کہ الریان سے کسی کا فون کیوں نہیں آیا اور نہیں تو کم از کم ہمدان مصطفیٰ کو تو پوچھنا چاہیے تھا۔ آخر بابا جان نے بتایا کہ تو ہو گا کہ میں اچانک وہاں سے کیوں چلا آیا تھا اور عمر احسان۔۔۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے تین دن ان کے فون کا انتظار کیا تھا۔ بلکہ ایک' دو بار اس کے دل میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ کیا خبر بابا جان ہی ماما کی بیماری کی خبر سن کر انہیں دیکھنے آجائیں۔ اتنے دنوں کی جمی برف پگھل جائے' لیکن۔۔۔

"بیٹا! تم نے کیا بتایا تھا انہیں۔۔۔ تم اس وقت بابا جان کے پاس تھے' جب میں نے فون کیا تھا۔"

اتنے دنوں سے دل میں اٹھتے سوال کو آج اذن گویائی مل ہی گیا تھا۔

ایک چونکا تھا۔ "جی میں الریان میں ہی تھا تب۔۔۔ لیکن بابا! اتنا کمزور دل ہے آپ کا۔۔۔ آپ نے تو مجھے بھی بوکھلا دیا تھا۔ مجھے یقین نہیں آتا وہ سب جو آپ نے اپنے متعلق بتایا ہے۔۔۔ وہ شاہی قلعہ کی قید۔۔۔ وہ کوٹ لکھپت کی اذیتیں۔۔۔ وہ سب آپ نے برداشت کی ہیں۔"

"دیکھ۔۔۔ اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتی ہے بیٹا! اور مجھے بھی دکھ کی دیمک ہولے ہولے اندر سے چاٹ رہی ہے۔ الریان سے جدائیوں کا دکھ' تمہاری ماما کے رشتے چھین جانے کا دکھ۔۔۔" ان کے چہرے سے کرب جھلکنے لگا تھا۔

"وہ بھی ایک دور تھا جب فلک مراد شاہ شیر کی طرح دھاڑتا تھا اور پولیس والے بھی اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ایک بار سوچتے تھے۔ جب زمین اس کے قدموں کی دھمک سے کانپتی تھی' اور۔۔۔"

"بابا! پلیز لیوات (چھوڑیں) وہ سب جو گزر چکا' بھول جائیں اسے۔"

"بھولنا ہی تو مشکل ہوتا ہے جان پدر۔۔۔ خدا نہ کرے کہ تمہیں کبھی کچھ بھولنا پڑے۔ وہ سب لوگ جن کے ساتھ آپ کھیل کود کر بڑے ہوئے ہوں۔

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

جن کی محبتیں آپ کے لہو میں خون کے ساتھ گردش کررہی ہوں۔ ان محبتوں کو جوانی کے جوش میں جھٹک کر آپ آگے جاتے ہیں' لیکن بھلا خون میں گردش کرتی محبتیں بھلائی جاسکتی ہیں۔ میں تمہاری ماما کا مجرم ہوں۔"

"پلیز بابا! آپ خود کو سنبھالیں۔" اس نے ان کے بازو کو ہولے سے تھپتھپایا۔

"کوئی کسی کا مجرم نہیں ہے۔ یہ سب ایسا ہی ہونا تھا۔ یہی تقدیر میں لکھا تھا۔"

"دیکھو نا ایبک! یہ الریان والے کتنے ظالم ہیں۔ عمارہ کی اتنی بیماری کا سن کر کوئی آیا تک نہیں۔ فون بھی نہیں کیا۔۔۔ ہیں نا۔۔۔ حمدان نے بھی نہیں پوچھا اپنی پھپھو کا حال۔"

انہوں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔

"ہوسکتا ہے بابا جان کی سمجھ میں ہی نہ آیا ہو۔ میں تو آپ کا فون سنتے ہی باہر نکل آیا تھا۔ آپ کے رونے نے مجھے بالکل حواس باختہ کردیا تھا۔ انہوں نے شاید کچھ پوچھا تو تھا لیکن میں نے ہی مڑ کر انہیں جواب نہیں دیا تھا۔"

اس نے ان سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔ حالانکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے خاصی بلند آواز میں بات کی تھی۔ لیکن فلک مراد شاہ رنجیدہ ہوچکے تھے۔ اس کے یہ لفظ بالکل کھوکھلے لگے تھے۔ انہوں نے اس کی اس وضاحت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ ایبک نے ان کے بازو کو تسلی دینے کے انداز میں ایک بار پھر تھپتھپایا۔

"بابا! میں جارہا ہوں اور آپ نے کچھ نہیں سوچنا پلیز۔"

لیکن سوچوں پر بھی کبھی کسی کا اختیار ہوا ہے جو ان کا ہوتا۔۔۔ ایبک چلا گیا تھا۔ اور وہ سوچوں ہی سوچوں میں الریان جا پہنچے تھے۔

"الریان" میں زندگی تھی۔ رونق تھی۔ خوشیاں تھیں اور محبتیں تھیں۔ جبکہ مراد پیلس میں خاموشیاں راج کرتی تھیں۔ دادی جان اور دادا جان کی بے تحاشا محبتوں کے باوجود کبھی کبھی ان کا دل مراد پیلس میں بے حد گھبرا جاتا تھا اور وہ الریان میں جانے کے لیے مچل اٹھتے تھے۔

زریں کے ساتھ قیام کے چار سالوں نے انہیں ضدی بھی بنادیا تھا۔ دادا جان ان کی ضد پر انہیں ساتھ لے کر الریان آجاتے۔

"عبدالرحمٰن بیٹا! سنبھالو اپنے بیٹے کو۔ اسے یہ بوڑھا دادا اب اچھا نہیں لگتا۔" وہ عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دیتے ہوئے ہنسے تھے۔

"ایسا کرو اسے اپنا بیٹا ہی بنالو۔"

"یہ میرا بیٹا ہی ہے چچا جان۔"

عبدالرحمٰن شاہ اسے گلے سے لگا لیتے۔ پھر الریان میں دن کیسے پر لگا کر اڑ جاتے تھے۔ "تمہاری دادی جان بہت اداس ہورہی ہیں مومی! کہو تو لینے آجاؤں۔ رات بھی وہ رو رہی تھیں تمہیں یاد کرکے۔" دادا جان اسے جذباتی طور پر بلیک میل کرتے۔ وہ دادی جان اور دادا جان سے ملنے کو بے تاب ہوجاتے۔

"آجائیں دادا جان! ابھی آجائیں۔" وہ واپس مراد پیلس جانے کو بے چین ہوجاتے۔

"مت جاؤ یار! تمہارے بغیر دل نہیں لگتا۔" احسان اسے روکتا۔

"تو اب تم آجاؤ میرے ساتھ وہاں مراد پیلس۔"

عمارہ تو ان کے جانے کا سن کر جو رونا شروع کرتی تو پھر اس کے جانے تک روتی رہتی تھی۔ الریان میں ان کا زیادہ وقت احسان' عمارہ اور زارا کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ عثمان' مرتضیٰ' مصطفیٰ تو اپنی پڑھائی میں مصروف رہتے تھے لیکن وہ تینوں بھی اس سے محبت کرتے تھے۔ وقت ملتا تو اس سے گپ شپ لگاتے تھے۔ وہ سب گھومنے بھی جاتے تھے۔ غرض الریان میں مزے ہی مزے تھے۔ لیکن وہ دادا جان اور دادی جان کے بغیر بھی تو زیادہ عرصہ نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ دو دنیاؤں میں بٹ چکے تھے۔ اس کے لیے آدھی دنیا الریان تھا تو آدھی مراد پیلس۔

وقت گزرتا رہا' وہ ایف اے میں پہنچ گئے۔ لیکن

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

الریان سے ان کی محبتیں کم نہیں ہوئی تھیں۔ وہ اب بھی آدھی چھٹیاں الریان میں گزارتے تھے اور بقیہ آدھی چھٹیوں میں احسان' عمارہ اور زارا کو اپنے ساتھ مراد پیلس لے آتے تھے۔

انہوں نے ایف ایس سی میں بہاولپور میں بورڈ میں ٹاپ کیا تھا اور عبدالرحمٰن شاہ نے الریان میں اس خوشی میں ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ بہاولپور سے دادا جان اور دادی جان بھی آئے ہوئے تھے۔ مروہ پھپھو اور عبداللہ چچا بھی آئے تھے۔ مروہ پھپھو کی شادی کے بعد عبداللہ چچا اور بینا چچی بھی بحرین چلے گئے تھے۔ جانے سے پہلے بینا چچی نے اپنی بہن کا بیٹا لے لیا۔

عبدالرحمٰن شاہ ان کی شان دار کامیابی پر بے حد خوش تھے۔

"چچا جان! آپ بہت لکی ہیں۔ میرے چاروں نالائقوں میں سے کسی نے آج تک بورڈ میں پوزیشن نہیں لی۔ وہ کتابی کیڑا مرتضیٰ بھی دو' چار نمبروں سے رہ جاتا ہے۔ وہ سلجوق بھی اتنا ہی لکی تھا۔ میں پڑھ پڑھ کر مرجاتا' لیکن پوزیشن ہمیشہ وہ لے جاتا تھا۔"

عبدالرحمٰن شاہ کی آنکھوں میں پرانی یادوں کے جگنو دمک اٹھے تھے۔ لیکن مراد شاہ کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

"کاش! وہ اتنا اچھا نہ ہوتا۔ کبھی کوئی پوزیشن نہ لیتا لیکن میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہمیشہ۔ میرے جنازے کو کندھا دینے والوں میں وہ بھی ہوتا۔" عبدالرحمٰن شاہ از حد نادم ہوگئے تھے۔

"سوری چچا جان! میں نے آپ کو سلجوق کا ذکر کرکے اداس کردیا۔"

"اداس ہونے کے لیے سلجوق کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عبدالرحمان! وہ تو کبھی ہمارے دلوں سے نہیں نکلا۔ کاش! میرا سلو ہوتا آج۔ اپنے بیٹے کی کامیابی پر کتنا خوش ہوتا۔"

عبدالرحمٰن شاہ' مراد شاہ کو تسلی دینے لگے تھے۔ لیکن ان کے پیچھے کھڑے فلک مراد شاہ کے لیے محفل کی ساری رونقیں ایک دم پھیکی پڑ گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے بابا کے ساتھ کتنا تھوڑا وقت گزارا تھا۔ ان کی یادوں میں اپنے بابا کے ساتھ گزارے صرف چند گنے چنے دن تھے۔ وہ بے طرح اداس ہوگئے تھے۔

عبدالرحمٰن شاہ کہتے تھے اس کے بابا ایک بہترین انسان تھے اور باقی سب بھی کتنی تعریفیں کرتے تھے ان کی' لیکن اس کی یادوں میں صرف بیمار اور کمزور بابا تھے۔

عمارہ نے انہیں لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو چونک گئی۔ ایک کونے میں کھڑے وہ بے حد اداس اور افسردہ لگ رہے تھے۔

"مومی! کیا ہوا۔" عمارہ نے قریب آکر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ یوں ہی۔" وہ افسردگی سے مسکرادیے اور عمارہ جانتی تھی کہ انہیں وقت اسے کون یاد آرہا ہوگا۔

عمارہ ان کے پاس کھڑی ہوکر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی اور اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئی تھی۔ فلک شاہ اس کی باتوں میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ عمارہ ان کے قریب ہو اور وہ زیادہ دیر تک اداس رہ سکیں۔ اب ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ بہت دھیان سے عمارہ کو دیکھ رہے تھے۔ گلابی اور فیروزی رنگ کے امتزاج والے سوٹ میں وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی اور دلکش تو وہ تھی ہی۔

"اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہو!" عمارہ مسکرائی تھی۔

"قدرت کی صناعی۔"

عمارہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ وہ دونوں جو ایک دوسرے کے لیے اپنے دل میں محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس کا تجزیہ نہیں کیا تھا۔ فلک شاہ کے لیے احسان' عمارہ' زارا سب ایک جیسے تھے۔ عمارہ کے لیے شاید کہیں کوئی اور جذبہ بھی ہو' لیکن ابھی وہ ان پر واضح نہیں تھا۔

احسان نے پیچھے سے آکر ان کے کندھے پر ہاتھ

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

رکھا۔

"مومی! تم نے آج کی بیوٹی کوئن دیکھی؟"

"میرے پاس ہی تو کھڑی ہے۔"

ان کی آنکھوں میں جگنو سے چمکے تھے اور نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دانتوں تلے دبائے ان نے عمارہ کی طرف دیکھا تھا۔ جس کے رخسار لمحہ بھر کے لیے گلنار ہو گئے تھے۔

"ارے یار! یہ تو اپنی عمو ہے۔ میں بیوٹی کوئن کی بات کر رہا ہوں۔

"کیا اس محفل میں کوئی اور بھی بیوٹی کوئن ہے۔ ورنہ اپنا تو یہ حال ہے۔"

وہ آئے بزم میں اتنا تو ہم نے دیکھا میر
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

ان کا دل یکایک ہی شرارت پر آمادہ ہو گیا تھا اور ایک بار پھر عمارہ کے رخساروں پر جیسے لالے کے پھول کھل اٹھے تھے اور اسی وقت فلک مراد شاہ کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

دھڑکن کا یہ انداز بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ اب کے انہوں نے نظر بھر کر عمارہ کو دیکھا تھا۔

بلاشبہ وہ یہاں موجود سب لڑکیوں سے زیادہ دلکش تھی اور اپنے دل میں اٹھنے والے انوکھے احساسات سے گھبرا کر وہ احسان کی طرف مڑ گئے۔

"کیا کوئی اور بھی ہے جسے بیوٹی کوئن کا اعزاز دیا جاسکتا ہے؟"

احسان شاہ نے لاؤنج میں داخل ہوتی مائرہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھی 'واقعی حسین تھی۔ عمارہ کے چہرے پر کم عمری کی معصومیت تھی' بھولپن تھا جبکہ وہ اپنے حسن سے آگاہ تھی۔ اس کی چال میں عجیب طرح کا بانکپن تھا اور اس کی گردن غرور سے تنی ہوئی تھی۔

"یہ بابا جان نے کن کن لوگوں کو بلالیا ہے۔ حالانکہ وہ تو کہہ رہے تھے صرف فیملی کے لوگ ہوں گے۔" فلک مراد شاہ نے ایک نظر اس پر ڈال کر احسان شاہ سے پوچھا۔

"یہ مائرہ ہے۔۔۔ مروہ پھپھو کی بڑی نند کی بیٹی۔"

"خیریت ہے نا؟" وہ تھوڑا سا احسان شاہ کی طرف جھکے۔

"شاید نہیں۔" احسان شاہ نے شرارت سے کہا تھا اور فلک شاہ نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا اور پاس کھڑی عمارہ کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس بات پر ہنس رہے ہیں۔ مائرہ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد سیدھی ان کی طرف آئی تھی۔

"عمو! تم یہاں کھڑی ہو اور باہر زارا تمہیں ڈھونڈ رہی ہے۔ بلکہ رو رہی ہے اور آنٹی تمہیں بلا رہی تھیں۔"

"چھ زارا کو کیا ہوا؟" عمارہ جانے کے لیے مڑی تھی اور پھر جیسے کچھ خیال آتے ہی ٹھہر گئی۔

"مومی! یہ مائرہ ہے۔ مروہ پھپھو کی نند کی بیٹی اور یہ مومی ہے۔ آج کی دعوت اسی کی کامیابی کی خوشی میں ہے۔"

مائرہ نے نخوت سے اسے دیکھا تھا۔ "مبارک ہو۔"

"تھینکس۔۔۔" فلک بھی مسکرایا تھا۔

"اور آپ کیا کرتی ہیں؟"

"گریجویشن کر رہی ہوں۔" پھر بابا جان نے انہیں بلالیا تھا اور وہ مائرہ اور احسان کو وہیں چھوڑ کر بابا جان کی طرف چلے گئے تھے' پھر رات اپنے بیڈ پر لیٹتے ہوئے احسان شاہ نے شرارت سے کہا تھا۔

"یار! لگتا ہے میرا دل وہیں کہیں مائرہ حسین کے آنچل میں ہی اٹک کر رہ گیا ہے۔"

اور کون جانتا تھا کہ اٹھارہ سالہ احسان نے اس رات جو بات شرارت سے کہی تھی وہ ایک دن سچ ہو جائے گی اور احسان شاہ کا دل سچ مچ مائرہ حسین کے آنچل میں اٹک جائے گا۔ عمر میں اپنے سے ڈیڑھ 'دو سال بڑی مائرہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن جائے گی۔ فلک شاہ نے اسی رات دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وقت آنے پر وہ عمارہ عبدالرحمٰن کو اپنی زندگی میں شامل کریں گے۔ اور دادا جان نے جیسے ان

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

کے دل میں جھانک کر دیکھ لیا تھا کہ رات کو جب وہ سونے کے لیے جا رہے تھے تو انہوں نے عبدالرحمٰن سے کہا تھا۔

"عبدالرحمٰن! اپنی عمارہ کو میری بیٹی بنادو۔ مومی سچ مچ اپنا بیٹا بنالو۔" اور عبدالرحمٰن نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔

"چچا جان! ابھی تو وہ دونوں بہت چھوٹے ہیں۔"

"ہاں عبدالرحمٰن! ابھی دونوں بچے ہیں لیکن چھ سات سال بعد پتا نہیں میں ہوں گا یا نہیں۔ سوچتا ہوں اپنی زندگی میں ہی اسے۔۔۔"

"چچا جان! اللہ آپ کو لمبی زندگی دے اور آپ مومی کی خوشیوں کو دیکھیں۔ عمارہ آپ کی ہی بیٹی ہے۔ آج بھی اور کل بھی۔"

عبدالرحمٰن کو بھی اس وقت ایک بہت پرانی بات یاد آگئی تھی۔ وہ اور سلجوق کبھی کبھی بہت دور تک سوچتے تھے۔

"سنو عبدالرحمٰن! جب ہمارے بچے بڑے ہو جائیں گے تو ہم اپنے بچوں کے رشتے ایک دوسرے سے کریں گے۔"

اور اگر دونوں کے صرف بیٹے یا صرف بیٹیاں ہوئیں تو۔۔۔

"ایسا نہیں ہوگا۔" سلجوق کو یقین تھا۔

"وعدہ کرو۔"

"وعدہ۔" نہر کے کنارے چلتے چلتے عبدالرحمٰن نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

اور یہ پرانی یاد کیا آئی' انہوں نے نہ مرتضیٰ نہ مصطفیٰ سے پوچھا۔ نہ ان کی ماں سے نہ عبداللہ اور مروہ سے ذکر کیا اور مراد شاہ کو زبان دے دی۔

"لیکن ابھی بچوں کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ خوامخواہ ڈسٹرب ہوں گے۔"

یہ عبدالرحمٰن کی خواہش تھی اور مراد شاہ جو دھوم دھام سے فلک کی منگنی کرنا چاہتے تھے' عبدالرحمٰن کی خواہش کے سامنے چپ رہ گئے۔

وقت کچھ اور آگے سرکا تھا۔۔۔ احسان شاہ نے ٹاؤن پلاننگ اور انہوں نے سول انجینئرنگ میں ایڈمیشن لیا تھا۔ دادا جان کی خواہش تھی کہ وہ ہاسٹل میں رہیں۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لاہور میں ہوں اور "الریان" میں نہ رہیں۔ عبدالرحمٰن تو بہت ناراض ہوئے تھے۔

"اپنے گھر کے ہوتے ہوئے آپ نے یہ کیسے سوچا کہ مومی ہاسٹل میں رہے گا۔"

"یہ چند چھٹیاں گزارنے کی بات نہیں ہے' چار سال یہاں رہنا ہے اسے۔" عبدالرحمٰن نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"چار سال رہے یا دس سال' مومی "الریان" میں ہی رہے گا۔"

اور مراد شاہ ان کے اس خلوص و محبت کے سامنے مجبور ہو گئے تھے۔ وہ جب بھی چھٹیاں گزارنے آتے احسان کے کمرے میں ہی ٹھہرتے۔ اب بھی انہوں نے الگ کمرے کے بجائے احسان کے کمرے میں ہی ٹھہرنا پسند کیا تھا۔

لاہور آکر اس کی زندگی میں کئی تبدیلیاں آئی تھیں۔ یکایک ہی انہیں ادب اور سیاست سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ اکثر ایک سیاسی تنظیم کے طلبا کے ساتھ نظر آنے لگے۔ اب تک انہوں نے احسان کے علاوہ کسی کو دوست بنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی لیکن اب ٹھہرو! یہ کا حق نواز اکثر ان کے ساتھ نظر آتا تھا۔ دونوں گھنٹوں اکٹھے رہتے تھے اور حق نواز ملک کی قسمت بدلنے کی باتیں کرتا۔

"ہمارا ملک چند ہاتھوں میں یرغمال بنا ہوا ہے مومی! اور ہمیں ان ہاتھوں سے اسے چھڑانا ہے۔"

وہ بڑی جذباتی باتیں کرتا تھا اور فلک مراد شاہ بہت متاثر ہو کر اس کی باتیں سنتے۔

ایک بار احسان نے انہیں سمجھایا تھا۔

"مومی! بابا جان نے کہا تھا کہ ہمیں کسی بھی تنظیم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے اور تم آج کل حق نواز کے ساتھ بہت نظر آرہے ہو۔ یہاں حق نواز کی مخالف تنظیم کافی زور آور ہے۔۔۔ تم بھی نظروں میں

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

آرہے ہو۔ اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دو۔"

"پتا نہیں کیا بات ہے شانی! میرا دل اچاٹ ہو گیا ہے پڑھائی سے۔ کتابوں میں دلچسپی محسوس نہیں ہوتی۔ شاید یہ میرا شعبہ نہیں ہے۔"

اور پھر انہوں نے یو ای ٹی کو دو سال بعد خیرباد کہہ دیا اور گورنمنٹ کالج لاہور میں بی اے میں ایڈمیشن لیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا بیٹا!"

عبدالرحمٰن صاحب کو بے حد رنج ہوا۔

"بابا جان! مجھے لگتا ہے کہ تعلیم میرے مزاج سے میل نہیں کھاتی۔ میں لٹریچر میں ماسٹرز کروں گا؟" عبدالرحمٰن کو سلجوق یاد آگیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے جیسے یہ بھاری بھرکم کتابیں مجھے ڈس رہی ہیں۔ میرے اختیار میں ہو تو اردو ادب یا انگریزی ادب میں ماسٹرز کروں لیکن یہ بابا جان کی خواہش ہے کہ میں انجینئر یا ڈاکٹر بنوں حالانکہ....."

وہ خاموش ہو گئے تھے۔ لیکن دل میں انہیں اس کے اس طرح یو ای ٹی چھوڑنے پر بڑا دکھ تھا اور انہوں نے اس کا اظہار مراد شاہ سے بھی کیا تھا۔

"چچا جان! مجھے مومی کی یہ بات اچھی نہیں لگی۔ اپنا کیریر ختم کر دیا ہے اس نے انگلش لٹریچر پڑھ کر وہ کیا بن جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ لیکچرار، پروفیسر۔" تب بڑے رسان سے مراد شاہ نے کہا تھا۔

"اسے کچھ بننے کی کیا ضرورت ہے عبدالرحمٰن! یہ اتنی زمینیں، جائیدادیں اسی کی تو ہیں۔ زمینوں سے اتنا آتا ہے کہ وہ ایک شاندار زندگی گزار سکتا ہے۔ وہ اپنے باپ کی طرح انجینئر بننا چاہتا تھا۔ میں نے اسے منع نہیں کیا۔ حالانکہ اس کی دادی جان اسے لاہور بھیجنا نہیں چاہتی تھیں۔ اب وہ لٹریچر پڑھنا چاہتا ہے تو بھی میں اسے منع نہیں کر سکتا۔ میں اسے خفا اور ناراض نہیں کر سکتا۔"

"لیکن چچا جان! آپ اسے سمجھا تو سکتے تھے۔ وہ کون سا اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ اپنے فیصلے خود کرتا رہے۔ اللہ نے اسے اتنا اچھا ذہن دیا ہے۔ اپنی ذہانت ضائع کر دے گا۔"

"ذہانت کیسے ضائع ہو گی عبدالرحمٰن بچے! لٹریچر میں اور وہ بھی انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کرنا کوئی اتنا آسان بھی نہیں ہے۔"

عبدالرحمٰن شاہ نے پھر کچھ نہیں کہا تھا۔ شاید یہ مراد شاہ کا احترام تھا یا پھر مومی کے مزاج سے تھوڑی بہت واقفیت انہیں بھی ہو گئی تھی کہ اس روز کے بعد انہوں نے اس موضوع پر کبھی کوئی بات نہیں کی لیکن ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ فلک شاہ نے یہ ایک غلط فیصلہ کیا ہے۔ بہت سارے دن انہوں نے فلک شاہ سے معمول کے مطابق بات چیت نہیں کی تھی۔ بس ڈنر پر یا صبح ناشتے پر رسمی سی بات ہوتی تھی۔

فلک شاہ ان دنوں اتنا مصروف رہنے لگے تھے کہ انہوں نے عبدالرحمٰن شاہ کی اس خفگی کو محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ اگر وہ یہ خفگی محسوس کر لیتے تو شاید وہ اپنا فیصلہ بدل لیتے تھے شاید زندگی کا آج یہ رنگ نہ ہوتا پھر ہولے ہولے عبدالرحمٰن کے دل سے وہ ہلکی سی خفگی بھی ختم ہو گئی اور سب کچھ معمول کے مطابق چلنے لگا۔ وہ سلجوق کی نسبت سے انہیں پیارے تو تھے ہی لیکن اب عمو کے حوالے سے اور بھی عزیز ہو گئے تھے۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ حق نواز کے ساتھ ان کی دوستی بڑھتی جا رہی تھی اور حق نواز کے کہنے پر ہی انہوں نے اس کی سیاسی پارٹی جوائن کر لی تھی لیکن اس کا ذکر انہوں نے کسی سے بھی نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ احسان شاہ سے بھی نہیں جن سے وہ اپنی ہر بات کرتے تھے۔ پتا نہیں کیوں فلک شاہ کو لگا تھا کہ احسان شاہ کو ان کی یہ بات پسند نہیں آئے گی۔ بلکہ اسے تو حق نواز کے ساتھ بھی ان کا اتنا گہرا تعلق پسند نہیں آیا تھا۔ تب ہی تو اس رات جب وہ اپنے کمرے میں آئے تھے اور احسان نے اچانک پوچھا تھا۔ "آج تم کہاں گئے تھے۔" تو وہ سٹپٹا گئے تھے۔

"میں آج تمہارے کالج گیا تھا لیکن تم وہاں نہیں تھے۔ تمہارا وہ کلاس فیلو کیا نام ہے اس کا۔ منیب بتا رہا تھا کہ تم کالج آئے ہی نہیں ہو۔"

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

پاکستان ویب کی پیش کش

خواتین ڈائجسٹ کا یہ شمارہ آپ کے لئے پاکستان ویب (Pakistan.web.pk) نے پیش کیا ہے۔

آیئے، آپ بھی پاکستان ویب کا ساتھ دیں:

پاکستان ویب پر رجسٹر ہو کر، اس کے ممبر بن کر، اس کا قابل فخر حصہ بنئے!

اپنے دوست احباب کو پاکستان ویب کے بارے میں بتائیں اور اُنہیں بھی ممبر بننے کی دعوت دیجئے!

پاکستان ویب کا لائبریری سٹاف گروپ جوائن کر کے اُردو اَدب کے فروغ کی کوششوں میں حصہ ڈالئے!

پاکستان ویب جوائن کر کے دنیا میں پاکستان کا نام اور اِس کا اسلامی وقومی تشخص بہتر بنایئے!

پاکستان ویب کے اخراجات ادا کرنے میں اِنتظامیہ کے ساتھ تھوڑا بہت مالی تعاون بھی کیجئے تا کہ پاکستان کی یہ منفرد ویب سائٹ اپنی بہترین خدمات پاکستان اور آپ جیسے محب وطن پاکستانیوں کیلئے جاری رکھ سکے!

جزاک اللہ خیر!

www.Pakistan.web.pk

محب وطن پاکستانیوں کی معیاری فیملی تفریحی سوشل ویب سائٹ!

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

"وہ ہاں! میں آج ذرا شاپنگ کے لیے چلا گیا تھا۔ کالج جانے کا موڈ نہیں تھا۔"

جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت تو نہ تھی لیکن محض اس کی خفگی کے خیال سے وہ نہیں بتا آج ان کی پارٹی کی میٹنگ تھی اور وہ حق نواز کے ساتھ پارٹی میٹنگ میں چلے گئے تھے۔

"اچھا۔ تمہیں شاپنگ کرنا تھی تو دونوں شام کو چلے جاتے۔ مجھے بھی کچھ چیزیں لینا تھیں۔" پھر یکایک اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کہیں تمہارا دل کالج سے بھی تو نہیں اچاٹ ہو گیا اور تم کہیں کسی اور سبجیکٹ میں ٹرائی کرنا چاہتے ہو۔"

"ارے نہیں۔" وہ بے اختیار ہنس دیے۔

"مجھے تو اب پتا چلا ہے کہ مجھے یہی پڑھنا ہے۔ خوامخواہ سائنس پڑھ کر دماغ تھکا تا رہا۔"

"خیر یہ تمہاری ذاتی رائے ہے' ضروری نہیں کہ ہر شخص کو تم سے اتفاق ہو۔"

"چلو یار! تم میری رائے سے اتفاق نہ کرو۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم کالج کیوں گئے تھے۔ اب یہ نہ کہنا کہ تم مجھ سے ملنے گئے تھے کہ صبح شام تو تم میرا دیدار کر ہی لیتے ہو۔"

"پہلے تصحیح کر لو کہ صبح شام نہیں' صرف رات کو کیونکہ دن کے باقی حصے میں تو تم دستیاب ہی نہیں ہوتے ہو۔ پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں گورنمنٹ کالج کیوں گیا تھا۔ فلک شاہ دل ہی دل میں نادم ہوئے۔

"سوری یار! ان دنوں تھوڑا مصروف رہا۔"

"تھوڑا نہیں بلکہ تم بہت زیادہ مصروف ہو گئے ہو اور تمہارا زیادہ وقت حق نواز کے ساتھ گزرتا ہے۔ موی! تم جانتے ہو' وہ پچھلے دو سال سے حکومت کی نظر میں ہے۔"

"لیکن شانی! حق نواز اچھا لڑکا ہے۔ محب وطن سچا اور کھرا بہت خوبصورت دل ہے اس کا۔"

"ٹھیک ہے' حق نواز ایسا ہی ہو گا جیسا تم کہہ رہے ہو لیکن یار! احتیاط کیا کرو۔ کہیں تم بھی نظر میں نہ آجاؤ۔ وہ تو ایک بار جیل کی ہوا بھی کھا چکا ہے لیکن تمہارے دادا جان تو....."

"او کے یار!" فلک شاہ نے اس کی بات کاٹی تھی۔ "آئندہ احتیاط کروں گا۔ تم بتاؤ تم کیوں کالج گئے تھے۔"

احسان شاہ کی آنکھیں یکدم لو دینے لگی تھیں۔ "میں مائرہ سے ملنے گیا تھا۔"

"مائرہ سے؟" فلک نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں' تمہیں علم نہیں ہے وہ یہاں گورنمنٹ کالج سے ہی ماسٹرز کر رہی ہے سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ میں ہے۔"

"اچھا میں نے کبھی اسے نہیں دیکھا۔"

لیکن اس نے تو تمہیں کئی بار دیکھا ہے۔ وہ فائنل ایر میں ہے۔"

احسان نے کسی قدر جھجکتے ہوئے فلک شاہ کی طرف دیکھا تھا۔

"میرا دل سچ مچ باغی ہو گیا ہے یار! تمہیں یاد ہے تمہاری کامیابی کی خوشی میں دی جانے والی دعوت میں تم نے پوچھا تھا۔ خیریت ہے؟"

"اور تم نے کہا تھا خیریت نہیں ہے؟" فلک شاہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ہاں! تب وہ صرف مذاق تھا موی! لیکن کل رات مجھ پر انکشاف ہوا کہ یہ دل تو بری طرح مائرہ حسین کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہے اور میں صبح صبح اسے بتانے کے لیے بھاگا تھا کہ میں احسان شاہ..... مائرہ حسین سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

"تو پھر تم نے بتایا؟" فلک شاہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نہیں یار! ہمت ہی نہیں ہوئی۔ لوگ پتا نہیں کیسے اتنے لمبے لمبے محبت کے ڈائیلاگ بول لیتے ہیں۔ میں تو ایک جملہ نہیں کہہ سکا۔"

"ایسا کرو دو چار زبردست رومانٹک قسم کی مووِیز دیکھ لو۔"

فلک شاہ نے بہت سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا تھا

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

اور احسان نے ان کے بازو پر مکا مارتے ہوئے کہا تھا۔

"اللہ کرے تمہیں بھی کسی سے محبت ہو جائے۔"

"تمہیں کیا خبر احسان شاہ کہ یہ دل تو روز اول سے ہی کسی کا دیوانہ ہو چکا ہے اور ہر گزرتا دن اس محبت میں اضافہ کر رہا ہے۔"

انہوں نے سوچا تھا اور بڑے خلوص سے دعا کی تھی کہ احسان شاہ اپنی محبت کو پالے۔

یکدم ہی گیٹ کھلنے کی آواز آئی تھی اور رقیہ بی نے کچن سے باہر آتے ہوئے کہا۔

"وہ لوگ آگئے۔" فلک شاہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پھر انجم عمارہ کو سہارا دیتے ہوئے ان کے بیڈ روم میں آئی۔ تین دن میں ہی کیسے نچڑ کر رہ گئیں۔ انہیں دیکھتے ہی ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"بابا! پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ماما اب بالکل ٹھیک ہیں۔"

انجم نے عمارہ کو بیڈ پر سہارا دے کر بٹھایا۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئیں۔ وہ اپنی وہیل چیئر بیڈ کے قریب لے گئے تھے اور بے اختیار ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ "عمو!"

عمارہ مسکرائی تھیں۔ "آپ یوں ہی اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔" تب ہی ایک شاہ فون پر بات کرتا ہوا اندر آیا۔

"اوہ..... ہاں ہومی کیسے ہو؟"

"پھپھو جان کیسی ہیں ایک!" اس کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"مجھے ابھی پتا چلا چند لمحے پہلے۔ میں تو ابھی آجاتا لیکن ادھر بابا جان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" ہمدان مصطفیٰ بتا رہا تھا۔

"کیا....." اس نے عمارہ کی طرف دیکھا اور بات کرتے کرتے باہر نکل گیا۔

"بابا جان مسلسل تین دن کی بے ہوشی کے بعد آج ہوش میں آئے ہیں لیکن ابھی بھی ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ڈاکٹرز بھی کچھ نہیں بتا رہے ہیں ایک!" ہمدان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ہمیں تو اس اچانک بے ہوشی کی وجہ سمجھ میں ہی نہیں آرہی تھی۔ تمہارے جانے کے بعد عمر بابا جان کے کمرے میں گیا تھا تو..... آج ہوش میں آتے ہی انہوں نے عمارہ پھپھو کا پوچھا ہے۔ وہ بہت بے چین ہیں ایک! وہ کہہ رہے تھے پھپھو ہسپتال میں ہیں وہ....."

"ماما اب گھر آگئی ہیں بہتر ہیں۔ بابا جان کیسے ہیں۔"

"بابا جان ٹھیک نہیں ہیں۔ وہ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہیں ایک!" وہ یکدم رو پڑا تھا۔

ایک تم! پھپھو کو یہاں لے آؤ ہسپتال میں۔" فون بند کر کے ایک نے پریشانی سے سوچا' وہ کیسے کس طرح ماما کو بابا جان کی بیماری کے متعلق بتائے' ان کا کمزور دل کیسے برداشت کر پائے گا۔ وہ وہیں لاؤنج میں ہی پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"فون بج گئے ہیں اور احمد ابھی تک نہیں آیا۔" حسن رضا نے ٹی وی بند کرتے ہوئے زبیدہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"کیا اس نے بتایا تھا کہ وہ دیر سے آئے گا۔"

زبیدہ بیگم نے اپنے دوپٹے پر کروشیے کی بیل بناتے ہوئے حسن رضا کو دیکھا۔ "مجھ سے تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی اس نے۔ شاید سمیرا سے بات کی ہو۔"

"سمو۔" انہوں نے آواز دی تو سمیرا پلٹ آئی۔

"بیٹا! احمد کچھ بتا کر گیا تھا کہ کب آئے گا۔"

"نہیں ابو! لیکن وہ کئی دنوں سے لیٹ آرہا ہے۔ مجھے آپ سے بات کرنا تھی۔ کل بھی آپ کے سونے کے بعد وہ چلا گیا تھا اور کافی دیر سے واپس آیا۔" حسن رضا کی پیشانی پر لکیریں سی پڑ گئیں۔

"خیر تم کھانا لگاؤ اور جب وہ آئے تو اسے میرے پاس بھیجنا۔" سمیرا سر ہلا کر باہر چلی گئی۔

حسن رضا کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پچھلے کئی دنوں سے ان کا بلڈ پریشر ہائی تھا اور ڈاکٹر نے بلڈ

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

پریشر کی ٹیبلٹ کے ساتھ انہیں سکون کی گولی بھی دی تھی' جسے کھانے کے بعد انہیں نیند سی آجاتی تھی۔ عموماً" ان کے ہاں رات کا کھانا آٹھ بجے تک کھالیا جاتا تھا۔ کھانا کھاتے ہی وہ اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے۔ اس لیے انہیں پتا نہیں چل سکا تھا کہ احمد رضا دیر سے گھر آرہا ہے۔ ورنہ ان کی سخت تاکید تھی کہ مغرب کے بعد وہ گھر سے باہر نہ رہے۔ آج ان کی طبیعت کافی بہتر تھی اور ٹی وی پر خبریں سننے کے بعد انہیں احمد کا خیال آیا تھا کہ وہ ابھی تک گھر نہیں آیا۔

"جوان بچہ ہے' آرام سے بات کیجیے گا۔" زبیدہ بیگم نے دوپٹا لپیٹ کر شاپر میں رکھا۔

"عموماً" مائیں ہی بچوں کو بگاڑتی ہیں۔" حسن رضا بڑبڑائے۔

"یونیورسٹی میں پڑھتا ہے' دوست احباب ہیں' کہیں بیٹھ جاتا ہوگا۔"

"تو زبیدہ بیگم! یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ کہاں بیٹھتا ہے وہ۔ کیسی صحبت ہے۔"

زبیدہ بیگم نے اب کے کوئی جواب نہ دیا اور شاپر اٹھا کر ٹی وی کے پاس پڑی میز پر رکھا اور باہر نکل گئیں۔ سمیرا ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھی۔

کھانا لگا کر اس نے آواز دی تو وہ باہر آکر بیٹھے ہی تھے کہ دروازے پر بیل ہوئی۔ سمیرا نے روٹیوں والا ہاٹ پاٹ ٹیبل پر رکھا اور جانے کے لیے مڑی۔

"ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں۔" حسن رضا گیٹ کھول کر آگئے۔ احمد ہی تھا۔ بائیک صحن میں کھڑی کر کے وہ برآمدے میں آیا تو سمیرا نے آواز دی۔

"رضی! ہاتھ دھو کر جلدی سے آجاؤ۔ ابھی کھانا لگایا ہے۔" زبیدہ بیگم کو سلام کر کے رضی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا تھا۔

"تم آج کل بہت دیر سے آنے لگے ہو۔ کہاں جاتے ہو۔" خالی برتن کچن کی طرف لے جاتے ہوئے سمیرا نے سنا' حسن رضا پوچھ رہے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے احمد رضا سٹپٹایا۔

"وہ ابو میں ایک دوست کے پاس جاتا ہوں۔"

"کون دوست۔"

"وہ.... وہ محسن ابو! وہاں اور دوست بھی ہوتے ہیں تو بس پھر گپ شپ میں وقت کا پتا نہیں چلتا۔"

انہوں نے ہنکارا بھرا تھا۔ "تم جانتے ہو تمہارے لیے یہ کتنا قیمتی وقت ہے۔ ابھی تمہارے گریجویشن میں ڈیڑھ سال ہے اور میں تمہیں ایم ایس سی کے لیے یوکے بھجوانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب تم شاندار کامیابی حاصل کرو اور تمہیں باہر کا اسکالرشپ مل جائے۔ آج کے اس مہنگائی کے دور میں میرے لیے تمہاری ہائر ایجوکیشن کے اخراجات برداشت کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"جی ابو.... میں پڑھائی کی طرف سے غافل تو نہیں ہوں۔"

"جانتا ہوں لیکن یہ وقت کا زیاں بھی صحیح نہیں ہے۔ اس طرح اگر تمہیں ان محفلوں میں وقت ضائع کرنے کا چسکا پڑ گیا نا تو تم ایک دن پڑھائی سے بھی غافل ہو جاؤ گے۔"

"سوری ابو! آئندہ جلدی آجایا کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ اٹھے اور اس کا کندھا تھپتھپا کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اس نے سمیرا سے چائے کی فرمائش کر دی۔

"اچھا۔" سمیرا نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

سمیرا کام سے فارغ ہو کر چائے لے کر آئی تو وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ دروازہ کھلا تھا۔ سمیرا نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا تو وہ آنکھیں کھول کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"سموکی بچی! تو نے شکایت کی ابو سے میری۔"

"کیوں کیا انہیں نظر نہیں آتا۔ وہ کب سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

"آج انتظار کر رہے تھے۔ پہلے تو ان کے سونے کے بعد ہی جاتا رہا ہوں۔"

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

"ہاں تو تم کہاں جاتے ہو۔ جھوٹ بول رہے تھے نا ابو سے۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔"

"یہ تو تمہیں پتا ہوگا رضی! لیکن کل تمہارے جانے کے بعد محسن کا فون آیا تھا۔ ان کے چچا کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور انہوں نے بتایا تھا کہ وہ گاؤں جا رہے ہیں اور میں تمہیں بتا دوں۔" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم نے فون ریسیو کیا تھا؟"

"ہاں!"

"تھینک گاڈ!"

اس نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔ سمیرا مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اوہ ڈیر سسٹر! اس طرح مشکوک نظروں سے مت دیکھو۔ میں کہیں ڈاکے مارنے نہیں جاتا۔"

"پھر کہاں جاتے ہو رضی! ابو نے تم سے بہت امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں۔" سمیرا نے پوچھا۔

یکدم اس کی آنکھوں میں جگنو سے چمکے تھے اور وہ آلتی پالتی مار کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"پتا ہے۔ ایک شخص ہے۔ اسماعیل نام ہے اس کا۔ وہ اللہ کا بہت برگزیدہ بندہ ہے۔ مجھے ایک یونیورسٹی فیلو اس کی محفل میں لے کر گیا تھا۔ کیا مسحور کن گفتگو کرتا ہے وہ۔ جی چاہتا ہے بس سنتے رہو۔ اتنے سارے لوگ ہوتے ہیں وہاں' لیکن اس کی نظریں صرف مجھ پر ہوتی ہیں۔ پتا ہے سمو! اس نے مجھ سے کہا کہ ایک روز میرا نام تمام دنیا میں پھیلے گا۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے' جب میں تمام دنیا میں پہچانا جاؤں گا اور میرے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگے ہوں گے۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ شہرت تمہیں کس شعبے میں ملے گی۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"دنیا میں تو ہٹلر اور چنگیز خان بھی مشہور ہوئے ہیں۔"

"سو واٹ!" اس نے ناک چڑھاتے ہوئے چائے کا مگ اٹھا لیا۔ "شہرت تو شہرت ہوتی ہے اور ہٹلر بھی

پیارے بچوں کے لئے
پیاری پیاری کہانیاں

بچوں کے مشہور مصنف
محمود خاور
کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں
پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے
آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔
ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت
قیمت -/300 روپے
ڈاک خرچ -/50 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

محب وطن تھا جبکہ چنگیز خان اور ہلاکو بہادر تھے۔ اگر ایسی شہرت بھی تو مل جائے تو کیا کہنے۔"

"رضی!" سمیرا نے آنکھیں پھیلائیں۔

"تم ظالموں کو بہادر کہہ رہے ہو اور تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم شہرت حاصل کرنے کے لیے ہٹلر یا چنگیز خان بھی بن سکتے ہو؟"

"کہہ سکتی ہو؟" اس نے کندھے اچکائے اور چائے پینے لگا۔

"رضی!" سمیرا ایک دم پریشان سی نظر آنے لگی۔

"تم یہ کس طرح سوچنے لگے ہو۔ ایسے اندھے خواب تو آدمی کو دلدل میں لے جاتے ہیں۔ تم بھی کہیں کسی دلدل میں نہ گر جاؤ۔ پتا نہیں یہ شخص کون ہے اور....."

"اوہ مائی گاڈ!" احمد رضا نے اس کی بات کاٹی۔ "میری دادی اماں بننے کی کوشش مت کرو۔ مجھ سے بہت چھوٹی ہو۔"

"عمر میں چھوٹی ہوں، عقل میں نہیں۔"

"ایک تو بندہ یہاں کسی سے اپنے خواب بھی شیئر نہیں کر سکتا۔" اس نے کپ زور سے سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ سمیرا نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

"بہرحال جو بھی کرنا رضی! سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا، پتا نہیں کیوں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ایک تو تم لڑکیاں بھی ناخوامخواہ کے ڈر پالے رکھتی ہو۔ ابو کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں ملواتا کسی روز اسماعیل صاحب سے۔"

"مجھے نہیں ملنا کسی اسماعیل صاحب سے اور تم بھی کم ہی ملا کرو۔ اپنی تعلیم پر توجہ دو۔"

سمیرا کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی اور احمد رضا نے ایک بار پھر آنکھیں موند کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔

پہلی بار وہ ابراہیم کے ساتھ اسماعیل صاحب کے گھر گیا تھا۔ اس روز وہ یونیورسٹی سے نکلا تھا تو اسے ابراہیم مل گیا۔

"یار آج اسٹرائیک ہے، تم مجھے اپنی بائیک پر ڈیفنس لے چلو گے؟"

"ہاں لیکن ڈیفنس میں کیا کام ہے تمہارا۔ تم تو گلبرگ میں رہتے ہو۔"

"ہاں مجھے اسماعیل صاحب کے گھر جانا ہے۔ ایسا کرو تم بھی چلو۔ چند روز قبل ہی میری ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ لیکن بہت متاثر کیا ہے انہوں نے مجھے۔ بہت نالج ہے ان کے پاس۔ اسلام، قرآن ہر چیز پر دسترس ہے انہیں۔"

اسے مضطرب دیکھ کر ابراہیم نے کہا۔

"یار! ایک بار مل کر تو دیکھو ان سے۔ اور کچھ نہیں تو مستقبل کا حال ہی پوچھ لینا۔"

"کیا نجومی بھی ہیں؟" رضی کو یکایک دلچسپی سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"نہیں نجومی نہیں لیکن اللہ کے جو ولی ہوتے ہیں وہ بعض اوقات مستقبل میں بھی جھانک سکتے ہیں۔" ابراہیم نے بتایا۔

"لیکن یار! مجھے ان ولیوں، بزرگوں، بابوں سے ڈر لگتا ہے۔" وہ کچھ متذبذب سا تھا۔

"لیکن اسماعیل صاحب اس طرح کے بزرگ نہیں ہیں۔ وہ تو بڑے فرینڈلی ہیں۔"

وہ ابراہیم کے ساتھ یوں ہی بغیر کسی ارادے کے کوٹھی کے اندر چلا گیا تھا۔ کوٹھی کے پورچ میں چھ سات کاریں کھڑی تھیں۔

وہ پورچ کی سیڑھیاں چڑھ کر جوں ہی اندرونی گیٹ کے سامنے پہنچے، دروازہ خود بخود کھل گیا۔ دروازے کے پٹ پر ہاتھ رکھے جس لڑکی نے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس پر ایک لمحے کو تو احمد رضا کو کسی حور کا گمان ہوا تھا۔ آسمانی رنگ کی میکسی کسی بہت اعلا ریشم سے بنی ہوئی تھی جس پر کہیں کہیں سنہری دمک رہی تھی۔ اگر ابراہیم اسے ٹھوکا نہ دیتا تو وہ وہیں مبہوت کھڑا رہتا۔

"آیئے۔" لڑکی نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور مڑی سنہری بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ابراہیم کے ساتھ ہولے ہولے چلتا ہوا ایک بڑے ہال

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

میں پہنچا تھا۔ ہال میں تین اطراف پر کرسیاں لگی تھیں۔ چھ سات کرسیوں پر کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ وہ سب تقریباً" جوان تھے۔ سامنے ایک بڑی شاندار کرسی تھی۔ ہال کی چھت پر بڑے بڑے فانوس روشن تھے۔ بڑی کرسی کے پیچھے ایک پردہ تھا۔ پردے کے پیچھے شاید کوئی دروازہ تھا۔ ورنہ وہاں پردے کی موجودگی کچھ عجیب لگ رہی تھی۔ وہ حیران حیران سا ابراہیم کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ پھر پردہ ہٹا۔ دو تین لڑکیاں پردے کے پیچھے سے نکلیں۔ ان کے ہاتھوں میں ٹرے تھیں اور وہ سب ویسی ہی آسمانی میکسیاں زیب تن کیے ہوئے تھیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک حسین کہ نگاہ کسی پر ٹھہرتی ہی نہ تھی۔

"حضرت صاحب! ابھی تشریف لاتے ہیں۔ آپ لوگ مشروب سے لطف اٹھائیں۔"

ایک لڑکی نے ہال کے وسط میں آکر کہا مگر وہ تو اس کی آواز کی نغمگی میں کھو سا گیا۔ دوسری دونوں لڑکیاں ٹرے اٹھائے باری باری سب کے سامنے رکتیں۔ ذرا سا سر خم کرکے کہتیں۔ "پلیز!" اور آگے بڑھ جاتیں۔ ابراہیم اور احمد رضا نے بھی مشروب کا گلاس اٹھا لیا تھا۔ وہ لڑکیاں پھر پردے کے پیچھے غائب ہو گئیں۔

اس نے شربت پی کر خالی گلاس ٹیبل پر رکھا ہی تھا کہ پردہ پھر ہٹا اور پردے کے پیچھے سے وہی لڑکیاں نمودار ہوئیں۔ اب ان کی تعداد چھ تھی، تین تین لڑکیاں کرسی کے دائیں بائیں کھڑی ہو گئیں۔ وہ آنکھیں پھاڑے ایک جیسی قامت اور ایک ہی جیسے لباس والی ان لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا کہ پردے کے پیچھے سے ایک شخص نمودار ہوا۔

شلوار قمیص کے اوپر اس نے سنہری کناروں والا کالا جبہ پہنا ہوا تھا۔ چھوٹی سی سیاہ داڑھی، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، ہلکا سانولا رنگ۔ اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو متوجہ کرتی۔

"یہ ہی حضرت صاحب اسماعیل خان ہیں۔" ابراہیم نے کھڑے ہوتے ہوئے سرگوشی کی تو وہ بھی سب کے ساتھ احتراماً" کھڑا ہو گیا تھا۔ ان کے بیٹھنے کے بعد سب لوگ بھی بیٹھ گئے تھے اور بیٹھنے کے بعد جب احمد رضا نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو مبہوت رہ گیا۔ اس شخص کی کرسی کے پیچھے تین لڑکیاں کھڑی تھیں۔ سفید ریشم کی میکسیوں میں ملبوس جن پر سلور رنگ کے ستارے جھلملا رہے تھے۔ ان کے لمبے بال ان کے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

"کیا یہ کوئی خواب ہے۔" اس نے اپنے بازو پر چٹکی لی تھی اور پھر ابراہیم کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا ہم ماضی کے کسی لمحے میں ہیں اور یہ حسن بن صباح کی جنت اور اس کی پریاں ہیں؟"

"خاموش!" ابراہیم نے آہستگی سے کہا تھا۔ حضرت صاحب ان ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پاکر ان کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی اور وہ ابراہیم سے مخاطب ہوئے۔

"یہ تمہارا مہمان ہے؟"

"جی۔۔۔ جی حضرت صاحب!" ابراہیم نے جواب دیا۔

"فارنر ہے، غیر مسلم؟"

"نو۔۔۔ نو میں پاکستانی ہوں۔ مسلم ہوں۔" اس نے جواب دیا تھا۔

"تمہاری پیشانی پر تمہارے عروج کی داستان لکھی ہے جوان! بہت عروج ملے گا تمہیں۔ بہت نام کماؤ گے۔"

اور احمد رضا کا دل اتنی تیزی سے دھڑکا تھا کہ اس کی دھڑکن کی آواز وہ خود سن رہا تھا۔

یہ اسماعیل خان سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔

کیسا سحر طاری کر دینے والا ماحول تھا۔ اسماعیل خان نے لیکچر دیا تھا کوئی۔۔۔ اس نے دھیان سے نہیں سنا کہ کیا کہا تھا انہوں نے۔ وہ تو سحر زدہ سا بیٹھا تھا اور اس کی نظریں بار بار ان لڑکیوں کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ اتنا حسن۔

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

Khawateen Digest September 2012

"یہ لڑکیاں کون تھیں ابراہیم!" واپس آتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"یہ حضرت صاحب کی مرید ہیں شاید۔" ابراہیم کے پاس خود بھی زیادہ معلومات نہیں تھیں۔

"اور تم... کیا تم بھی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے ہو۔"

"نہیں... لیکن سوچ رہا ہوں۔ ابھی میں ٹھیک طرح سے ان کے عقائد و نظریات سمجھ نہیں پا رہا۔"

"کہیں یہ شخص آج کی یعنی ہماری تاریخ کا حسن بن صباح تو نہیں ہے؟" بے اختیار ہی احمد رضا کے لبوں سے نکلا۔

"معلوم نہیں۔" ابراہیم نے کندھے اچکائے۔

"یہ جو کوئی بھی ہے۔ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو رہے ہیں۔ خاص طور پر میری تمہاری عمر کے لوگ۔"

"ہوں... لیکن مجھے کوئی چیز کھٹک رہی ہے۔"

احمد رضا نے اس وقت ابراہیم سے کہا تھا لیکن بعد کے دنوں میں وہ خود باقاعدہ طور پر اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا تھا۔ بلکہ چند ہی دنوں میں اسماعیل خان کے بہت قریب ہو گیا تھا۔ یونیورسٹی کے بعد سیدھا اس کی طرف چلا جاتا تھا۔ ابراہیم نے یکدم جانا چھوڑ دیا تھا اور اس کے استفسار پر اس نے جواب دیا تھا کہ مجھے یہ شخص فراڈ لگتا ہے۔ بہروپیا ہے۔ اللہ جانے اس کا مقصد کیا ہے لیکن جب میں نے اس کے لیکچر کی سی ڈی دیکھی اور اس کے لیکچر پر غور کیا تو مجھے لگا ہے کہ در پردہ یہ شخص نعوذ باللہ خدائی کا یا نبوت کا دعوا کر رہا ہے اور بہت ممکن ہے کہ عنقریب یہ صاف لفظوں میں ایسا ہی کوئی دعوا کر دے۔"

"نعوذ باللہ۔"

بے اختیار احمد رضا کے لبوں سے نکلا تھا اور پھر اس نے مسکراتے ہوئے ابراہیم کو دیکھا تھا۔

"میرا اتفاقاً" وہاں جانا شاید اس لیے ہو کہ اس مسلمہ کذاب نے میرے ہی ہاتھوں قتل ہونا ہو اور مجھے شہادت کا مرتبہ نصیب ہونا ہو۔"

لیکن اس وقت احمد رضا نہیں جانتا تھا کہ آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا تھا۔ اسے شہادت نصیب ہونی تھی یا دنیا بھر کی ملامت اس کی جھولی میں پڑنے والی تھی۔

یکدم ہی دروازے پر بیل ہوئی تھی اور پھر شاید کوئی بیل پر سے انگلی اٹھانا ہی بھول گیا تھا۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

بے اختیار سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر نظر پڑی۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ گو لاہور کے حساب سے بہت زیادہ دیر تو نہیں ہوئی تھی لیکن ان کے ہاں تو نو بجے تک سب سو جاتے تھے۔ برسوں سے یہی اصول چلا آ رہا تھا۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟"

بیڈ سے اتر کر چپل پہنتا ہوا وہ دروازہ کھول کر تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے دیکھا۔ حسن رضا بھی اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے تھے اور اب صحن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دونوں آگے پیچھے ہی گیٹ تک پہنچے تھے۔

"کون ہے؟" حسن رضا نے بلند آواز میں پوچھا۔

"پولیس۔" باہر سے آواز آئی۔

"پولیس؟" حسن رضا نے دوہرایا اور مڑ کر احمد رضا کی طرف دیکھا، پھر گیٹ کھولنے لگے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk

پاکستان .WEB.PK

پاکستان ویب کی پیش کش

خواتین ڈائجسٹ کا یہ شمارہ آپ کے لئے پاکستان ویب (Pakistan.web.pk) نے پیش کیا ہے۔

آیئے، آپ بھی پاکستان ویب کا ساتھ دیں:

پاکستان ویب پر رجسٹر ہو کر، اس کے ممبر بن کر، اس کا قابل فخر حصہ بنئے!

اپنے دوست احباب کو پاکستان ویب کے بارے میں بتائیں اور اُنہیں بھی ممبر بننے کی دعوت دیجئے!

پاکستان ویب کا لائبریری سٹاف گروپ جوائن کر کے اُردو ادب کے فروغ کی کوششوں میں حصہ ڈالئے!

پاکستان ویب جوائن کر کے دنیا میں پاکستان کا نام اور اِس کا اسلامی و قومی تشخص بہتر بنایئے!

پاکستان ویب کے اخراجات ادا کرنے میں اِنتظامیہ کے ساتھ تھوڑا بہت مالی تعاون بھی کیجئے تا کہ پاکستان کی یہ منفرد ویب سائٹ اپنی بہترین خدمات پاکستان اور آپ جیسے محب وطن پاکستانیوں کیلئے جاری رکھ سکے!

جزاک اللہ خیر!

www.Pakistan.web.pk

محب وطن پاکستانیوں کی معیاری فیملی تفریحی سوشل ویب سائٹ!

Pakistan Web Library
www.Pakistan.web.pk